6

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

7تا13 فروری 2008ء/28 محرم تا 4 صفر المظفر 1429ھ

www.tanzeem.org

ایمان و عقیدہ کی طاقت

جب ایمان کی حقیقت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو وہ انسان کو عمل پر اُکساتی ہے، تاکہ واقعاتی اور عملی زندگی میں اپنا فرض ادا کرے۔ دنیا میں عقیدے کے عملی معجزات ماضی میں اور حال میں بہت سے ہوئے ہیں، اور مستقبل میں بھی ہوں گے۔ ان معجزات نے دُنیا میں انقلاب برپا کیے ہیں۔ دراصل عقیدہ انسان کی جان میں ایک عظیم قوت پیدا کر دیتا ہے۔ اس قوت کے باعث نفسِ انسانی بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ عقیدہ فرد اور جماعت کو حیرت انگیز قربانیوں پر آمادہ کرتا ہے۔ عقیدے کے زور سے دُنیا کی فانی زندگی آخرت کی باقی زندگی کی کامیابی میں بدل جاتی ہے۔ عقیدہ انسان کی تمام قوتوں کو مجتمع کر دیتا ہے، اس کو ہدف اور مقصد عطا کرتا ہے اور اس کے لیے قربانی کرنے کی اُمنگ پیدا کرتا ہے۔ عقیدہ انسان کو حکومت، مال و دولت اور لوہے اور آگ کی قوتوں کے آگے کھڑا کر دیتا ہے۔ ایسا شخص باطل سے نہیں گھبراتا اور برائی کی قوتوں سے نہیں ڈرتا، خواہ وہ قوتیں کس قدر ہوں اور کتنی طاقت ور ہوں۔ عقیدے کی طاقت ان تمام قوتوں کو شکست دے دیتی ہے اور اُن پر غالب آ جاتی ہے۔ یہ فتح ایک فانی فرد کی نہیں ہوتی بلکہ ایک باقی اور قائم و دوائم عقیدے کی ہوتی ہے۔

فی ظلال القرآن

سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

5 فروری...... یوم کشمیر؟

موجودہ بحران اور علماء کرام کا موقف

چہرے کا پردہ

موجودہ بحران... اسباب اور علاج

اولاد کی تربیت

سبیل ارسلان خانم

پاکستان اور شاہ ایران

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

سورۃ الانعام
(آیات:94)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾

”اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے حالانکہ اُس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس طرح کی میں بھی بنالیتا ہوں۔ اور کاش تم ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تم کو ذلّت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔“

اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے من گھڑت بات اللہ کی طرف منسوب کردی یا یہ کہا کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے جبکہ اُس پر کوئی وحی نہ کی گئی ہو، یعنی یہ دونوں باتیں برابر کے گناہ ہیں۔ ایسا کہنے والا شخص سخت ظالم ہے۔ تو اہل مکہ ذرا سوچو کہ محمد ﷺ تمہارے سامنے موجود ہیں، ان کی سیرت اور کردار سے تم بخوبی واقف ہو، کیا اتنے بڑے بڑے گناہوں کی بھی تم ان سے توقع رکھتے ہو؟

اور ایک تیسرا شخص بھی ہے کہ جس نے کہا کہ میں بھی وہ کلام اتار سکتا ہوں جیسا کہ اللہ نے اتارا، یعنی میں اس قرآن کی مثل بنا سکتا ہوں تو ایسے شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ قرآن میں یہ چیلنج موجود ہے کہ اس جیسا کلام کوئی نہیں بنا سکتا۔ اس چیلنج کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ پھر بھی زبان سے یہ الفاظ کہہ دینے کی حد تک کسی نے کہہ دیئے ہوں تو اُس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہاں اس طرح کے گھناؤنے جرم کرنے کی سزا انہیں ملے گی۔

اور کاش تم دیکھ لیتے جب کہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے۔ ان کی جان نکل رہی ہوگی۔ اور فرشتے اُن کی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ آگے بڑھا رہے اور مزید اظہار غضب کے لیے کہہ رہے ہوں گے، نکالو اپنی جانیں آج تمہیں نہایت ذلیل کن سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ کی طرف ناحق باتیں منسوب کرتے تھے اور تم اللہ کی آیات سے تکبر کرتے ہوئے اعراض کرتے رہے تھے۔

فرمان نبویؐ

دورُخے کی زبان

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ عَمَّارٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((مَنْ کَانَ ذَا وَجْھَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ))
(مشکوٰۃ شریف)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص دنیا میں دورخا ہوگا اس کے لئے قیامت کے دن آگ کی زبان ہوگی۔“

رسول اللہ ﷺ نے جا بجا تاکید فرمائی ہے کہ مسلمان کو اپنے اخلاق درست رکھنے کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے۔ فقط اس سے کام نہیں چلے گا کہ منہ سے کلمہ پڑھ لیا وقت پر مارے باندھے شرماشرمی نماز روزہ میں شریک ہوگئے اور اس کے بعد جو چاہا کیا۔ اس حدیث میں حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ جس آدمی کا دنیا میں ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوگا' جس کی ظاہری دکھاوے کی زبان اور ہوگی اور باطن کی زبان دوسری ہوگی' آخرت میں اس کی خیر نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو دو چہرے والا ہوگا 'یعنی ظاہری برتاؤ دیکھ کر ملنے والا اس کا گرویدہ ہو جائے گا لیکن اس کے پیٹھ پیچھے کا برتاؤ کٹر دشمن کا سا ہوگا' تو قیامت میں اس کی زبان آگ کا ایک شعلہ ہو جائے گی جو اس کا چہرہ منہ سب کچھ جلا کر خاک سیاہ کر ڈالے گی۔

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 7 تا 13 فروری 2008ء — 28 محرم تا 4 صفر المظفر 1429ھ — شمارہ 6

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

5 فروری ——— یومِ کشمیر؟

ہم عجیب قوم ہیں، اتنے عجیب ہیں کہ اب بھی 5 فروری کو یومِ کشمیر کے طور پر مناتے ہیں۔ ہم اُس دن چھٹی مناتے ہیں، سیر سپاٹے کرتے ہیں، کیبل پر ہندوستانی فلمیں دیکھ کر کشمیر کے حوالہ سے اپنا احتجاج رجسٹرڈ کراتے ہیں۔ مارکیٹیں بند ہوتی ہیں۔ بجلی زدہ اور گیس گزیدہ صنعتوں کو مزید ایک دن آرام ملتا ہے۔ کیمیکل ڈور نے 5 فروری کے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ مجبوراً اِس سال حکومت نے بادل نخواستہ اور سینے پر پتھر رکھ کہ پتنگ بازی پر پابندی لگائی ہے، وگرنہ 5 فروری پتنگ بازی کے لئے آئیڈیل دن ہوتا تھا۔ یار لوگ آسمان کو رنگ برنگی پتنگوں سے ڈھانپ دیتے تھے۔ ہندوستانی فوجی تو اتنے کشمیریوں کی گردنیں سال بھر میں نہیں کاٹتے جتنی پتنگیں ہم 5 فروری کو کاٹتے تھے اور پھر بوکاٹا کا مستانہ نعرہ لگاتے تھے۔ بہر حال کاروبارِ زندگی بند ہونے سے مزدور پیٹ پوجا کرنے کی بجائے شدید سردی میں آگ سینک کر گزارہ کرتا ہے۔

سنی سنائی بات ہے کہ ایک انگریز وزیر اعظم نے بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں یہ تحقیقات کروائی کہ جرمن کی معیشت برطانوی معیشت سے قدرے بہتر نسبت سے کیوں ترقی کر رہی ہے۔ حاصل تحقیق یہ تھا کہ جرمن قبل از دوپہر چائے کا وقفہ نہیں کرتے۔ ہم پھر عجیب قوم ہیں کہ اِسی یورپ کے کہنے پر "وقفہ بہت ضروری ہے" کے شدت سے قائل ہو چکے ہیں۔ سچ پوچھیے تو ہمارے پاس اب وقفوں کے سوا بچا ہی کیا ہے۔ کشمیر کے معاملے میں وقفہ ہو تو لچک آ جاتی ہے۔ جرنیلی حکومت میں وقفہ ہو تو مار دھاڑ سے بھرپور جمہوریت آ جاتی ہے۔ جرنیل اپنی باری پر جمہوریت کو پٹڑی پر چڑھانے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک زور لگانے میں مصروف رہتے ہیں۔ جرنیل جمہوریت کی بنیاد پر پوری توجہ مرکوز کر دیتے ہیں۔ اکثر جرنیلوں نے جمہوریت کی بنیادیں کھودتے کھودتے دس دس اور گیارہ گیارہ سال لگا دیئے۔ نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔ ندائے خلافت کے قارئین حیرت زدہ ہوں گے کہ پہلا موقع ہے کہ اداریے میں مزاحیہ انداز اختیار کیا گیا۔ دیکھیے صاحب، اگر Confindence building measures کی تکمیل مرحلہ وار ہو چکی ہو۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کو فراخ دلی سے باڑ لگانے کی اجازت دے دی گئی ہو، روشنی کے ٹاورز لگانے میں بھارتی فوج کی مدد کی گئی ہو، آزاد کشمیر کے کیمپوں پر بلڈوزر چلائے جا چکے ہوں، علاوہ ازیں بھارت کے مطلوب اور باغیوں کی پکڑ دھکڑ کے بعد بھی اگر 5 فروری کو پاکستان میں یومِ کشمیر منایا جاتا ہے تو مزاح کے سوا کیا جنم لے سکتا ہے۔

جیسے انسان کے ہنستے ہنستے آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں، اسی طرح کبھی کبھی روتے روتے اپنے رونے پر ہنسی نکل جاتی ہے۔ بڑی غمناک ہوتی ہے ایسی ہنسی، بڑی اعصاب شکن ہوتی ہے یہ ہنسی۔ اور سچ یہ ہے کہ اِس ہنسی میں مایوسی جھلکتی ہے۔ یہ ذہنی تھکاوٹ کی نشان دہی کرتی ہے۔ ایسی کربناک ہنسی کے بعد اکثر انسان کے منہ سے دھماکہ خیز سچ نکلتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ کشمیر کے معاملے میں دشمن انگریز اور متعصب ہندو نے جو کچھ کیا سو کیا، اپنوں نے بھی کوئی کمی نہ چھوڑی۔ کانگریس کی مخالفت کے باوجود ہم نے انگریز سے یہ طے کروایا کہ ریاستوں کی قسمت کا فیصلہ اُن کے عوام نہیں بلکہ ریاستوں کے والی کریں گے۔ صرف اِس لیے کہ ہماری نگاہیں حیدر آباد دکن کی ریاست کی دولت پر تھیں، جہاں کا والی مسلمان تھا اور اس کے خزانے میں بہت دولت تھی۔ سوال یہ ہے کہ اگر حیدر آباد کا والی پاکستان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے تو کشمیر کے راجہ کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کا حق کیوں نہیں دیا جا سکتا؟ جب کہ الحاق کا طریقہ کار خود مسلم لیگ کے اصرار پر طے کیا گیا۔ اِس کا ہر گز ہر گز یہ مطلب نہیں کہ ہم کشمیر کے مسئلہ پر بھارت کے موقف کو درست اور پاکستان کے موقف کو غلط سمجھتے ہیں، یہ ایک قابل بحث مسئلہ ہے۔ ہم صرف اپنی غلطیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہی ہماری پہلی غلطی تھی جس سے کشمیر بھارت کی گود میں پکے ہوئے پھل کی طرح آ گرا۔ بعد میں ہم غلطیوں پر غلطیاں کرتے چلے گئے، حتیٰ کہ کشمیر کا مسئلہ ایک مذاق بن گیا۔ اب 5 فروری کو ہم دنیا والوں کو ہنساتے ہیں اور اتنا ہنساتے ہیں کہ خود ہمیں بھی روتے روتے ہنسی آ جاتی ہے۔ اگر 5 فروری کو سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر آپ لوگوں سے پوچھنا شروع کریں کہ 5 فروری کا کشمیر سے کیا تعلق ہے؟ اِس روز کشمیر میں کیا ہوا تھا؟ ہم اِس دن کو کشمیر سے منسلک کیوں کرتے ہیں، اگر ایک فیصد لوگ صحیح جواب دے دیں تو ہم حلف دیتے ہیں کہ آئندہ کبھی 5 فروری کو یومِ مزاح قرار نہیں دیں گے۔

ذوق وشوق

(دوسرا بند)

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات — کہنہ ہے بزمِ کائنات، تازہ ہیں میرے واردات!

کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں — بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات!

ذکرِ عرب کے سوز میں، فکرِ عجم کے ساز میں — نَے عربی مشاہدات، نَے عجمی تخیلات!

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں — گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات!

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق — عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات!

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق! — معرکۂ وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق!

1۔ اقبال کہتے ہیں کہ مجھے قدرت نے ایسے دَور میں تخلیق کیا ہے جو انتہائی کہنہ اور فرسودہ عقائد وخیالات کی آماج گاہ ہے۔ اس پر ستم یہ کہ مجھے ایسے فرسودہ معاشرے میں نئے تصورات اور اجتہادی فکر کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اب اِس کی شکایت کس سے کی جائے کہ اس نوع کے تضادات نے میری زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ عہدِ حاضر کے پس منظر میں میری سوچ اور نظر مستقبل تک رسائی حاصل کرنے کی اہل ہے جبکہ میرے گردو پیش فرسودہ اور منتشر نظریات سرگرداں نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس عہد میں آج کا انسان سانس لے رہا ہے، وہ بے حد پرانا اور فرسودہ ہو چکا ہے، جو نئے افکار برداشت کرنے کا اہل نہیں۔

2۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ فقیہانِ کرام نے حرم اور مساجد کو بھی اُسی طرح اندھی تقلید اور پرستش کی آماج گاہ بنالیا ہے، جس طرح سومنات کے مندر میں بُتوں کی پرستش کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ اب ضرورت اِس امر کی ہے کہ اس نظام کو بدلنے کے لیے محمود غزنوی جیسا کوئی مردِ مجاہد اٹھے اور اِس موجودہ صورتِ حال کو اُسی طرح تبدیل کر دے، جس طرح اُس نے سومنات کے مندر میں بتوں کو پاش پاش کر کے لوگوں میں توحید کا تصور پیدا کیا تھا۔ مراد یہ ہے کہ کائنات میں فکری سطح پر انقلابی تبدیلی کی ضرورت ہے، جو مروجہ فرسودہ نظام کو یکسر بدل ڈالے۔

3۔ بغور جائزہ لیا جائے تو عرب اور عجم دونوں کا سارا ماحول، منظر نامہ بدل کر رہ گیا ہے۔ پہلے عربوں کو ایک آزاد اور حقیقت پسند قوم سے تعبیر کیا جاتا تھا، لیکن اب ان میں تصورِ آزادی اور حقیقت پسندی کا فقدان ہے۔ یہی حال عجم کا ہے جو اپنی بلندیٔ فکر اور اعلیٰ خیالات کے باعث بین الاقوامی سطح پر شہرت رکھتے تھے۔ اب تو عرب بھی اور عجم بھی اپنی تمام سابقہ خصوصیات سے محروم ہو چکے ہیں۔

4۔ اقبال کہتے ہیں کہ ملّتِ اسلامیہ کے لیے اس سے بڑا المیہ اور کیا ہوگا کہ آج پورے حجازی قافلے میں ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جو نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسینؓ جیسی سیرت وکردار کا مالک ہو اور ظلم واستبداد کے علاوہ آمریت کے خلاف سربکف اعلانِ جہاد کر سکے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ظلم واستبداد اور آمریت آج بھی اپنے عروج پر ہے، لیکن اس کے خلاف رزم آرائی کے لیے ایک بھی حسینؓ جیسا مجاہد اور صف شکن پوری ملتِ اسلامیہ میں موجود نہیں۔

5۔ اس کی وجہ یقیناً یہ بھی ہے کہ انسان کے قلب میں عشقِ حقیقی جو ولولہ پیدا کرتا ہے، وہ عشق ہی اب ناپید ہے۔ کربلا میں شہادتِ عظمیٰ کی اساس یہی عشقِ حقیقی تھا، جس کی بدولت حضرت حسینؓ نے نہ صرف یہ کہ اپنی جان ہار دی، بلکہ اپنے عزیز واقارب سمیت بہتّر رفقاء کو میدانِ کربلا میں قربان کر دیا۔ یہ عشقِ حقیقی ہی تھا جس کی بدولت نواسۂ رسول ﷺ نے انتہائی نامساعد حالات اور بے سروسامانی کے عالم میں ظلم واستبداد کے خلاف جہاد کر کے حیاتِ جاوداں حاصل کی۔ دراصل عشقِ حقیقی ہی دل ودانش اور نگاہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ عشق کے بغیر تو مذہب اور شریعت محض تصوراتی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

6۔ چنانچہ یہ عشق ہی تھا، جس کی بدولت حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے سچائی اور راست بازی کا رُتبۂ بلند حاصل کیا۔ حضرت حسینؓ نے کربلا کے میدان میں جو قربانیاں دیں اور تین روز کی بھوک پیاس کے باوجود لشکرِ یزید کے خلاف علمِ جہاد بلند کر کے سر کٹوایا اور زندگی کے آخری مرحلے تک صبر وشکر کا مظاہرہ کیا، تو یہ سارا عمل عشقِ حقیقی ہی کا مرہونِ منت تھا۔ اِس کے علاوہ پیغمبر اسلام حضور سرورِ کائنات ﷺ نے بدر اور حُنین کے معرکوں میں کفار کو زیر کر کے جو کامیابیاں حاصل کیں، وہ بھی عشقِ حقیقی کے سبب تھیں۔

داخلی بحران اور علماء کرام کا موقف

موجودہ داخلی بحران کے اسباب و محرکات ہمارے ہی پیدا کردہ ہیں۔ وقت کا اولین تقاضا ہے کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ سے علیحدگی اختیار کی جائے، اور ان اسباب و محرکات کو ختم کیا جائے جن کے نتیجے میں آج ملک میں خانہ جنگی کی سی کیفیت ہے۔ طاقت کا بے جا استعمال مسئلہ کا حل نہیں۔ قبائلی علاقوں اور سوات میں فوجی آپریشن کے نتائج انتہائی خوفناک ہو سکتے ہیں۔ ملک کو بحران سے نکالنے کے لئے ملک بھر کے علماء کرام نے حکومت کے سامنے عمدہ لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ ارباب اقتدار کو چاہیے کہ اس پر غور و فکر کریں اور اس کی روشنی میں جرأتمندانہ فیصلے کر کے مسئلہ کو حل کریں۔

مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے یکم فروری 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ النحل آیت: 112 اور سورۃ الروم آیت: 41 کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! تقریباً ڈیڑھ ماہ کے وقفے کے بعد آج یہاں حاضری ہوئی ہے، اور اِس کا سبب، جیسا کہ آپ کے علم میں ہے، یہ ہے کہ میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلہ میں سعودی عرب گیا ہوا تھا۔ اِس دوران ملک میں حالات بہت تیزی سے مزید ابتری اور خرابی کی طرف گئے، جس کا ایک بڑا مظہر پیپلز پارٹی کی قائد بے نظیر بھٹو کا قتل ہے، جو بلاشبہ سیاسی اور قومی اعتبار سے بہت بڑا حادثہ ہے۔ اِس کا ردِعمل ملک میں شدید انتشار اور لاقانونیت کی صورت میں سامنے آیا۔ پھر یہ کہ آٹے اور بجلی کے بحران نے صورتحال کے بگاڑ میں اور بھی اضافہ کیا۔ دوسری جانب ہمارے قبائلی علاقوں میں فوج کے ساتھ جو محاذ آرائی ایک عرصے سے چلی آرہی ہے، اب وہ بدترین خانہ جنگی کا روپ دھار چکی ہے۔ بالخصوص سوات میں حالات انتہائی کشیدہ اور خوفناک ہیں۔ ہماری حکومت نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنے والوں کے خلاف فوجی آپریشن کر رہی ہے اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر سانحہ لال مسجد کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔

مالاکنڈ کے غیور مسلمانوں کی جانب سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ بہت پرانا ہے۔ وہ بہت عرصہ پہلے سے نفاذِ اسلام کا مطالبہ کر رہے تھے۔ آج اگر انہوں نے قانون کو ہاتھوں میں لے لیا ہے، تو یہ دراصل حکومتی پالیسیوں کا ردِعمل ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہماری حکومت ایک عرصے سے اسلام دشمن امریکی ایجنڈے کو آگے بڑھا رہی ہے۔ نام نہاد روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نام پر اسلامی نظریے کے خلاف اقدامات کئے جا رہے ہیں اور سیکولرازم اور مغربی ثقافت کو ملک پر زبردستی مسلط کرنے کی کوشش ہو رہی ہیں۔ اور جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور دین و شریعت کے نام لیوا ہیں، نہ صرف انہیں، انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے، بلکہ اُن کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ جس کی ایک مثال جامعہ حفصہ کی معصوم طالبات کی شہادت ہے، جن کا ''جرم'' اِس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ اللہ کے کلمہ کی سربلندی، اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی تھیں، مگر افسوس کہ انہیں فاسفورس بم مار کر بھون ڈالا گیا۔ حکومت کی جانب سے ظلم و بربریت کا نتیجہ ہے کہ آج ہر جگہ خودکش حملے ہو رہے ہیں، اور بحیثیت قوم آج ہم اللہ کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ شورش زدہ علاقوں میں فوج اور عوام کے درمیان تصادم سے آئے روز ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔ اب خواہ کوئی فوجی مرے یا عام آدمی دونوں صورتوں میں ہمارا ہی نقصان ہو رہا ہے اور اسلام اور پاکستان دشمن طاقتیں اِس بات پر خوش ہیں کہ پاکستان کے داخلی بحران میں شدت آرہی ہے، پاکستان مزید غیر مستحکم ہو رہا ہے اور اِس طرح اُن کے ایجنڈے کی تکمیل ہو رہی ہے۔ داخلی انتشار اور افراتفری کی آڑ میں غیر ملکی ایجنسیاں را، موساد اور سی آئی اے اپنا کھیل کھیل رہی ہیں، جن کا اولین ایجنڈا پاکستان کے وجود کو مٹانا ہے۔ اِن حالات میں سوچنے سمجھنے والا ہر مخلص مسلمان شدید اضطراب اور بے چینی کی کیفیت میں ہے۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آرہی ہے کہ کیا کرے، دین و شریعت اور ملک کا تحفظ کیونکر کیا جائے۔

> آپ یہ کہہ کر خودکش حملوں کی مذمت کرتے ہیں کہ شریعت میں خودکشی حرام ہے تو پھر اِس معاملہ میں شریعت کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے کہ اسلام کے خلاف امریکہ سے گٹھ جوڑ کرنا کیسا ہے؟ کیا اس کی شریعت اجازت دیتی ہے؟

دو تین ہفتے بعد ملک میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ لیکن انتخابات کے بعد بھی حالات کے سدھار کا دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا، بلکہ بحران کے مزید شدت اختیار کرنے کے آثار ہیں، اس لئے کہ الیکشن کے حوالے سے ق لیگ کے سوا (جسے ایک کالم نگار بجا طور پر دسترخوانی قبیلہ قرار دیتے ہیں) پوری قوم کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں بھرپور دھاندلی کی جائے گی۔ الیکشن سے قبل صدر پرویز مشرف کے اقدامات بالخصوص عدلیہ کے ساتھ جو ''حسن سلوک'' ہوا ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ الیکشن میں ممکنہ دھاندلی کے خلاف الیکشن کے بعد احتجاجی تحریک چلے گی، جس سے ملک میں سیاسی خلفشار اور بے یقینی میں مزید اضافہ ہوگا، اور ملک دشمن قوتیں اِس سے فائدہ اٹھائیں گی۔ بہرحال ہم جس بحران سے دوچار ہیں، اس سے نکلنے کے حوالے سے دور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔

اِن حالات میں جبکہ پاکستان کا ہر دردمند مسلمان دین اور ملک کے مستقبل کے حوالے سے سخت فکرمند ہے ملک بھر کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام نے جاری بحران، اُس کے اسباب اور علاج کے سلسلہ میں حکمرانوں اور قوم کے سامنے ایک بہترین لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ علماء نے یہ متفقہ موقف صدر پاکستان اور دیگر بااختیار لوگوں کو بھیجا ہے، تاکہ اُس پر پوری دلسوزی سے غور و فکر کیا جائے اور اِس کی روشنی میں ملک کو بحران سے نکالا جائے۔ یہ تحریر اخبارات کے ذریعے پوری قوم کے سامنے آچکی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بحران کے فوری حل کے سلسلے میں یہ بہت جاندار اور وقیع موقف ہے۔ یہ ایک طرف بطور خاص حکمرانوں کے لئے قابل توجہ ہے، دوسری جانب علماء سمیت پوری قوم کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اِس موقف کے حوالے سے حکومت پر بھرپور دباؤ ڈالے کہ وہ اپنی عاقبت نااندیشانہ پالیسیاں ترک کرے، شورش زدہ علاقوں میں آپریشن کا سلسلہ فی الفور بند کر کے مذاکرات کے ذریعے معاملات کو سلجھانے کی تدبیر کرے۔ ظلم اور ناانصافی کے جواب میں پہلے ہی خودکش حملوں کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لیتا۔ اگر سوات میں بھی لال مسجد کی تاریخ

دہرانے کی حماقت کی گئی، جیسا کہ نظر آتا ہے تو اِس کارروائی ایکشن پہلے سے بھی زیادہ خوفناک ہوگا۔ وہ لوگ آج بھی مذاکرات کے ذریعے حل پر آمادہ ہیں، وہ کل بھی آمادہ تھے، جیسے کہ غازی عبدالرشید پر امن حل کے لئے تیار تھے، مگر ہماری ایجنسیاں سارے معاملے کو بگاڑ دیتی ہیں۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز کیانی نے اپنے عہدے کا چارج سنبھالنے کے بعد بہت اچھی بات کہی تھی کہ اِس وقت ملک کے اندر جو لوگ فوج سے محاذ آرائی کر رہے ہیں، وہ بھی ہمارے بھائی ہیں، دشمن نہیں، ہمیں بھائیوں کی طرح اُن سے معاملے کو سلجھانا چاہیے، یہ سوچ قومی امنگوں کی عکاس ہے۔ مگر افسوس کہ عملاً اقدامات اس کے برعکس ہو رہے ہیں۔

آج ہم جس بحران سے دوچار ہیں، اِس میں دیگر ان گنت مسائل کے علاوہ دو چیزوں نے بطور خاص اضافہ کیا ہے۔ ایک تو ملک کا سیاسی عدم استحکام ہے، جس کی وجہ سے سیاسی بے چینی پائی جاتی ہے اور دوسرے ہمارے قبائلی علاقوں اور سوات میں اپنے ہی ملک کے باشندوں کے خلاف اندھا دھند فوجی کارروائیاں ہیں، جس نے عملاً ملک کو خانہ جنگی کی سی کیفیت سے دوچار کر دیا ہے اور جس کے نتیجے میں بم دھماکوں اور خودکش حملوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ اِس بحران کی جڑیں نائن الیون کے بعد اُس پالیسی سے جا ملتی ہیں جس کے تحت ہماری حکومت نے امریکہ کا تابع مہمل بن کر اپنے آپ کو امریکہ کی بھینٹ چڑھایا اور امریکہ مفادات کی جنگ میں ساتھ دے کر اپنے قومی مفادات کا خون کیا۔ دوسری جانب قوم کے حقیقی مسائل سے صرف نظر کر کے داخلی سطح پر نام نہاد روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے عنوان کے تحت تعلیم، آئین و دستور اور زندگی کے دیگر شعبوں میں قومی مقاصد اور مصالح کی بجائے امریکہ کی ڈکٹیشن کے مطابق تبدیلیاں کیں۔ اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو انتہا پسند کہا گیا۔ پر امن طریقے سے نفاذ اسلام کے مطالبہ کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا۔ تنظیم اسلامی کے وفد نے خود ایک مرتبہ صدر سے ملاقات کی کوشش کی، تاکہ اُن سے ملکی صورتحال کے تناظر میں تبادلہ خیال کیا جائے، مگر لاکھ کوشش کے باوجود صدر نے ملاقات کے لئے وقت دینے سے انکار کر دیا۔

علماء کرام نے خودکش حملوں کے حوالے سے بہت عمدہ بات کہی ہے، وہ یہ کہ مسئلہ صرف ان کی مذمت کرنے سے حل نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر کہ خودکشی اسلام میں حرام ہے، ہر جانب سے خودکش حملوں کی مذمت کی جاتی ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہاں اسلام کا اصول ٹوٹ رہا ہے، تو پھر اِس معاملہ میں شریعت کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے کہ اسلام کے خلاف امریکہ سے گٹھ جوڑ کرنا کیسا ہے؟ کیا اِس کی شریعت اجازت دیتی ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص فاسق و فاجر کے ساتھ چلتا ہے، تاکہ اُسے تقویت دے اُس پر اللہ غضب ناک ہوتا ہے، اُس کا عرش کانپ اٹھتا ہے۔ آپ کفار کے ساتھی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اقدامات کر رہے ہیں۔ اِس سے آپ باز کیوں نہیں آتے۔ اصل قابل غور بات یہ ہے یہ حملے کیوں کئے جا رہے ہیں، لوگ قانون کو ہاتھ میں لینے پر مجبور کیوں ہوئے ہیں۔ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد یکا یک اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ کیسے ہوگئی ہے۔ عسکریت پسندی اور خودکش حملوں کے اسباب اور محرکات کیا ہیں۔ لوگ اپنی جان جیسی قیمتی متاع کو قربان کرنے، اپنے بچوں کو یتیم کرنے، اپنے گھر والوں کو جدائی اور غم کا داغ دینے پر تیار کیوں ہوئے ہیں؟ دراصل یہ سب کچھ حکومت کی غلط پالیسیوں اور ظالمانہ اقدامات کا ردعمل ہے۔ لہٰذا اِن پالیسیوں کو جب تک تبدیل نہ کیا جائے گا اور اسباب و محرکات کا خاتمہ نہ کیا جائے گا، خودکش حملے اور جسے آپ "دہشت گردی" کہتے ہیں وہ کبھی بھی ختم نہ ہو سکے گی۔ علماء نے بجا طور کہا ہے کہ خودکش حملے درحقیقت حکومت کی اُن پالیسیوں کے خلاف ایک شدید جھنجھلاہٹ اور چڑچڑاہٹ ہے جو ہر طرف سے مایوس ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہر طرح کے پُرامن راستوں سے مایوس ہو کر تشدد کے راستے پر چل پڑے ہیں، ان میں ایسے نوجوان بھی ہوں گے جن کے گھر حکومت یا امریکہ کے آپریشنوں میں ملبے کا ڈھیر بنا دیئے گئے، اور جنہوں نے ان فوجی کارروائیوں میں اپنے پیاروں کو تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہوئے دیکھا، اور اب ان کے پاس انتقام کی آگ کے سوا کچھ نہیں بچا، جو وہ خود اپنی جان دے کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اور ایسا لگتا ہے کہ وہ ملک دشمن طاقتیں جو پاکستان

خودکش حملے حکومت کی غلط پالیسیوں اور ظالمانہ اقدامات کا ردعمل ہے۔ لہٰذا ان پالیسیوں کو جب تک تبدیل نہ کیا جائے گا اور اسباب و محرکات کا خاتمہ نہ کیا جائے گا، خودکش حملے اور جسے آپ "دہشت گردی" کہتے ہیں وہ کبھی بھی ختم نہ ہو سکے گی

پریس ریلیز

یکم فروری 2008ء

حکومت مسائل و معاملات کو حل کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کی پالیسی تبدیل کر کے مذاکرات کا راستہ اختیار کرے
اپنے عوام کو فتح کرنے کی پالیسی ملکی سالمیت کے لیے نقصان دہ ہے

حافظ عاکف سعید

قبائلی علاقے میں فوجی آپریشن فی الفور بند کیا جائے۔ اپنے عوام کو فتح کرنے کی پالیسی ملکی سالمیت کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے اپنے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں بڑھتے ہوئے دہشت گردی کے واقعات حکومت کی اپنی پرتشدد پالیسیوں کا نتیجہ ہیں۔ درحقیقت اس کشیدگی کی بنا پر سب سے زیادہ پریشانی ان علاقوں کے عوام کو اٹھانا پڑ رہی ہے۔ لہٰذا شدید سردی میں عوام کی بڑی تعداد گھر بار چھوڑ کر محفوظ مقامات کی تلاش میں دوسرے علاقوں کی طرف منتقل ہونے پر مجبور ہے۔ اگر ان ہزاروں افراد کو محفوظ پناہ گاہیں فراہم نہ کی گئیں تو کوئی بھی انسانی المیہ رونما ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت ان مسائل و معاملات کو حل کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کی پالیسی تبدیل کرے اور ناراض عناصر کو گفت و شنید کے ذریعے اعتماد میں لینے کی کوشش کرے اور اس تاثر کو جلد از جلد زائل کیا جائے کہ حکومت یہ اقدامات غیر ملکی اشارے پر کر رہی ہے۔ اسی میں ہماری اور وطن عزیز کی سلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

کو (خاکم بدہن) افراتفری کی نذر کر کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتی ہیں، یا اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر اس پر حملہ آور ہونا چاہتی ہیں، وہ بھی اس آتش گیر فضا سے فائدہ اٹھا کر ایک طرف خود بھی دھماکے کرا رہی ہیں، تاکہ ہر دھماکہ انہی مشتعل لوگوں کی طرف منسوب کیا جا سکے، دوسرے انہوں نے ایسے جذباتی افراد کو درپردہ ابھارا ہے کہ وہ اپنا یہ مشن جاری رکھیں۔ شاید انہیں یہ باور کرایا گیا ہے کہ موجودہ حالات کی ذمہ داری جس طرح حکومت پر عائد ہوتی ہے، اسی طرح وہ شہری بھی اس کے جرائم میں برابر کے شریک ہیں جنہوں نے ایسی حکومت کی اطاعت قبول کر رکھی ہے، لہٰذا ان سب پر حملہ کر کے انہیں ختم کرنا جائز ہے۔

علماء کرام کا یہ تجزیہ بھی بجا ہے کہ یہ ذہنیت اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اس کے سامنے کوئی زبانی کلامی دلیل فائدہ مند نہیں ہوتی۔ اور اس ذہنیت کا مقابلہ کرنے کے لئے جتنا زیادہ تشدد اختیار کیا جائے گا، اس کی اشتعال پذیری میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ لہٰذا پاکستان کی سول آبادی پر ہونے والے فوجی آپریشن اس صورتِ حال کا حل نہیں ہیں۔ اس ذہنیت کے مقابلے کے لئے جوش سے زیادہ ہوش اور ہتھیار سے زیادہ ناخنِ تدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ خودکش یا فدائی حملوں کا آغاز فلسطین سے ہوا ہے، اور یہ اسرائیل کی بربریت، کھلم کھلا ریاستی غنڈہ گردی اور دہشت گردی کا ردِعمل تھا، جب فلسطینیوں نے دیکھا کہ ہماری کہیں شنوائی نہیں۔ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھی اسرائیل کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی بھی ہے تو اِسے دبا دیا جاتا ہے، امریکہ اسے ویٹو کر دیتا ہے۔ عالمی طاقت مظلوم اور بے بس فلسطینیوں کے مقابلے میں ظالم صیہونیوں کا ساتھ دیتی ہے۔ فلسطینی مسلمانوں نے اِس ظلم سے تنگ آ کر، اور اِس کے ردِعمل میں فدائی حملے شروع کیے۔ افسوس کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے ہوئے ملک میں ہم نے بھی یہی حالات پیدا کر دیے۔ ہم بھی لوگوں سے مذاکرات کرنے، اُن کی بات سننے کو تیار نہیں، اُن پر جبر و تشدد کر رہے ہیں تو پھر حالات کیونکر سنور سکتے ہیں۔ بہت خوبصورت شعر ہے جو کہا گیا ہے ؎

مرے طائرِ نفس کو نہیں ''گلستاں'' سے رنجش
ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے

[مندرجہ بالا سطور میں ملک کو درپیش بحران کے اسباب کے حوالے سے تذکرہ ہوا ہے، جن کا ذکر معزز علماء نے اپنی تحریر میں کیا ہے۔ بحران کے حل کے سلسلے میں علماء کرام نے جو دس نکات پیش کیے ہیں، اُن کی وضاحت آئندہ شمارہ میں پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔]

قرآن کا پیغام — خلافت کا قیام

تنظیم اسلامی کی پیش کش

امیر تنظیم اسلامی حافظ **عاکف سعید** صاحب

یا دیگر مرکزی ذمہ داران تنظیم کا

مرکزی خطابِ جمعہ

جو بالعموم تذکیر بالقرآن، حالات حاضرہ پر تبصرے اور آئندہ کے لائحہ عمل پر مشتمل ہوتا ہے

اب آپ ہر ہفتے اپنی جگہ پر سُن سکتے ہیں

جن شہروں میں کوریئر سروس موجود ہے وہاں بذریعہ کوریئر بصورت دیگر ڈاک کے ذریعے اس خطاب کا کیسٹ اگلے ہی دن یعنی ہفتے کے روز آپ کے پتے پر ارسال کر دیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

ممبر بنیں اور استفادہ کریں

سالانہ ممبر شپ فیس۔ 750 روپے ﴿TDK کیسٹ﴾

مرکز تنظیم اسلامی میں نقد، منی آرڈر یا پے آرڈر/ڈرافٹ کے ذریعے رقم جمع کروائیں اور رسید حاصل کریں

نوٹ: یہی خطاب جمعہ بذریعہ Internet ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org سے براہ راست یا Download کر کے بھی سنا جا سکتا ہے۔

تنظیم اسلامی
67/A علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

مزید معلومات کے لئے درج ذیل نمبرز پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔
فون نمبرز: 6316638/6366638 فیکس: 6271241
Email:markaz@tanzeem.org
websit:www.tanzeem.org

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطبات جو سالانہ محاضرات ۱۹۹۱ء میں دیے گئے

حقیقت ایمان

تسوید و ترتیب: مولانا ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

اہم موضوعات: ○ ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ○ ایمان کا موضوع ○ قانونی اور حقیقی ایمان کا فرق اور ان کے ضمن میں کلامی مباحث ○ ایمان و عمل کا باہمی تعلق ○ ایمان اور نفاق ○ ایمان حقیقی کے سرچشمے

اشاعت خاص: 120 روپے اشاعت عام: 60 روپے

چہرے کا پردہ

عبدالمجیب

عصرِ حاضر کے فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ اسلام میں عورت کے چہرے کے پردے کا انکار اور استہزاء ہے۔ بعض متجددِ دین کا خیال ہے کہ ''آئمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ، اور حنبلؒ چہرے کے پردے کو ضروری نہیں سمجھتے۔'' اس جھوٹ کی تردید میں صرف اتنا بتانا ہی کافی ہوگا کہ سعودی عرب میں جہاں بیک وقت دو فقہ (مالکی اور حنبلی) رائج ہیں، وہاں عورت کے چہرے کا پردہ نافذ العمل ہے۔ ویسے اسلام کے پانچ مستند مکاتبِ فکر ہیں، یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہلحدیث جن میں سے صرف کچھ حنفی فقہاء چہرے کے پردے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ لہٰذا امرِ واقعہ یہ ہے کہ علماء وفقہاء کی عظیم اکثریت حجاب ونقاب کو قرآن کا حکم تسلیم کرتی ہے۔ جو اقلیتی علماء اس کو ضروری نہیں سمجھتے، وہ بھی یہ ضرور مانتے ہیں کہ عورت کا احرام حج وعمرہ اس کا ''کھلا چہرہ'' مقرر ہے۔ اب اگر چہرہ معمولاً کھلا ہوتا تو خصوصی حکمِ احرام بے معنی نہیں ہوجاتا؟ پھر خاتمۂ احرام کی واحد نشانی بھی یہی ہے کہ ''کھلا چہرہ'' پھر سے معمول کے مطابق ''بانقاب چہرہ'' ہوجائے۔ مزید برآں یہ اقلیتی علماء اس مشہور فرمان نبوی ﷺ کو بھی مانتے ہیں کہ مسلمان مرد جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو ایک مرتبہ دیکھ لے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہدایتِ نبوی ﷺ بھی اس لیے تو دی گئی ہے کہ مسلم خواتین معمولاً اور حکماً بانقاب ہوتی ہیں۔ ان حقائق کے پیشِ نظر صحیح بات یہ ہے کہ قرآنی حکمِ حجاب پر بالفعل اتفاق کامل ہے۔ لہٰذا اجماعِ امت عورت کے چہرے کے پردے پر ہے نہ کہ اس کی بے پردگی پر کہ جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد

دوسرا مغالطہ یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ ''ایک طرف تو قدامت پرست چہرے کو چھپانے کا کہتے ہیں کیونکہ وہ دوسروں کے لئے باعث کشش ہے لیکن آنکھیں جو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہیں انہیں کھلا رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔'' یہ اعتراض کرنے والے ذرا اتنا ہی بتادیں کہ ایک چیچک زدہ شکل پر نرگسی آنکھیں ان کو کتنا متاثر کریں گی؟ چہرے کا حُسن تو مجموعہ ہوتا ہے رنگت، عارض، ناک، ہونٹ، جبین، بھنویں اور آنکھوں کے امتزاج کا۔ صرف آنکھوں سے وہ صنفی کشش پیدا نہیں ہوسکتی جو پورے چہرے سے ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام (قرآن) نے چہرے پر حفاظتی پہرا لگایا ہے نہ کہ آنکھوں پر۔

اس حوالے سے تیسرا مغالطہ یہ دیا جاتا ہے کہ ''قرآن کے کسی لفظ کے معنی کے تعین میں لغت کو اوّلیت حاصل ہے۔ اس کے بعد خود قرآن کا متن اور رسول ﷺ کے ارشادات مبارکہ ہیں'' جبکہ درست بات یہ ہے کہ اوّلیت لغت کے بجائے متنِ قرآن کو حاصل ہے، پھر متن کا سیاق وسباق (جس کا ذکر ہی نہیں ہے)، اس کے بعد لغت اور ارشادات رسول ﷺ ہیں۔ معنی کے تعین کے لئے ان چار عناصر کی بیان کردہ ترجیحی ترتیب میں الٹ پھیر وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو ''خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں''

چہرے کے پردے کے معترضین کی اس قسم کی تحریریں خلطِ مبحث کا شاہکار ہیں، کیونکہ ان میں عموماً قرآن کے احکامِ ستر اور احکامِ حجاب ونقاب کو خلط ملط کر کے ایک کو دوسرے سے متصادم گردانا جاتا ہے۔ بنیادی بات تو یہ ہے کہ عورت کے لئے احکام ستر الگ ہیں جو سورہ نور کی آیت 31 میں ہیں اور احکامِ حجاب ونقاب الگ ہیں جو سورۂ احزاب کی آیات 53 اور 59 میں ہیں۔ احکام ستر کا تعلق گھر کے اندر اپنے محرموں (باپ، بھائی، بیٹا، چچا، ماموں، خسر وغیرہ) کے درمیان عام جسمانی پردے سے ہے جبکہ احکامِ حجاب کا گھر سے باہر نامحرموں سے ایک اضافی چہرے کے پردے سے ہے۔ ان حقائق کو نظر انداز کر کے ایک معترض نے یہ بے جا سوال اٹھایا ہے کہ ''کیا سورۂ نور (آیت 31) کا نزول اس لئے تھا کہ وہ سورۂ احزاب (آیت 59) سے متصادم ہو؟ اگر یہ بات نہیں تو کیا پھر یہ نسخ ومنسوخ کا مسئلہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو بتایا جائے، اگر نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا قرآنی احکامات (نعوذ باللہ) ترتیب اور نظم سے محروم ہیں؟'' تعجب ہے کہ سائل لاعلم ہے کہ نظم وترتیبِ قرآن کا ہی تو یہ اعجاز وکمال ہے کہ پورے قرآن کی ترتیب نزولی نہیں، موضوعاتی ہے۔ مثلاً نزولی اعتبار سے سورۂ احزاب پہلے نازل ہوئی اور سورۂ نور بعد میں، مگر ترتیبِ قرآن میں سورۂ نور پہلے ہے اور سورۂ احزاب بعد میں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ پہلے گھر کے اندر محرموں سے عورت کا پردہ (ستر) معروف ومقرر کردیا جائے جو ماسوائے تین چیزوں (چہرہ، کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں سے نیچے پیروں) کے اس کا پورا جسم ہے، پھر گھر سے باہر نامحرموں سے اس کا ستر پر اضافی پردہ (چہرے کا) بھی متعین کردیا جائے۔ حالانکہ حکمِ حجاب ونقاب سورۂ احزاب کی دو الگ الگ آیات (53 اور 59) میں بیان ہوا ہے اس کو حکمِ عام نہ ماننا کہاں کا انصاف ہے بوجہ اس کے کہ آیت 53 کا تعلق ازواج النبی ﷺ سے ہے اور آیت 59 کا تعلق خواتین کی وقتی پہچان سے ہے۔ اگر احکامِ قرآن میں سے یوں مستثنیات نکالنی شروع کردی جائیں تو پھر قابلِ اتباع احکام مشکل سے ہی کچھ بچ سکیں گے۔ اِس نکتے کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔

چونکہ عقلیت پسندی اسلامی تہذیب کا اہم ترین حصہ ہے، لہٰذا احکامِ دین کے بارے میں روش عقلیت پسندی کی ہونی چاہیے تاکہ جامد قدامت طلبی سے بچا سکے۔ تاہم مکمل سچ یہ ہے کہ تعقل اور تفکر میں نہ قدامت پرستی ہو اور نہ ہی جدت پرستی، صرف ہدایت طلبی ہونی چاہیے۔ اس محکم اصول کے تحت ہی عورت کے پردے کا جائزہ لینا چاہیے۔ عقل وفکر کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ عورت کی نازک نسوانیت کے پیشِ نظر اس کا جسمانی پردہ ''اپنوں'' سے کہیں زیادہ ''غیروں'' سے ہونا چاہیے۔ سو حکمِ ستر (سورۂ نور، آیت 31) کے مطابق اپنوں (محرموں) کے سامنے تین چیزیں (چہرہ، کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں کے نیچے پیر) کھلی ہوں، باقی پورا جسم مستور ہوگا مگر حکمِ حجاب (سورۂ احزاب، آیات 53۔59) کے مطابق غیروں (نامحرموں) کے سامنے صرف اور صرف مؤخرالذکر دو چیزیں کھلی ہوں گی اور تیسری چیز (چہرہ) بھی بطور زائد پردہ کے مستور ہوگی۔ بالفاظ دیگر ستر تو وہ اعضاء ہیں جن کا (شوہر کے سوا) محرموں کے سامنے بھی کھولنا ممنوع ہے اور حجاب (چہرہ) ستر سے زائد وہ ہے جو نامحرموں کے سامنے کھولنا ممنوع ہے۔ اس طرح انسانی فطرت اور عقلیت کے عین مطابق قرآن نے گھر کے اندر جتنا پردے کا دائرہ رکھا ہے، اس سے بڑا پردے کا دائرہ گھر سے باہر کے لئے رکھ دیا ہے۔ اتنی سیدھی

اور سادہ سی بات عقلیت کے داعی کے سمجھ میں نہیں آتی اور ان کے نزدیک مذکورہ دونوں آیاتِ حجاب محض وقتی حکم قرار پاتی ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت 53 میں ازواج النبی ﷺ کا نکاح (بحیثیت امہات المومنینؓ) نبی کے بعد ممنوع کرتے ہوئے حکم یہ ہے کہ ان مقدس ترین ماؤں سے بھی جب کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلتا ہے کہ یہ حکم صرف امہات المومنینؓ تک محدود ہے۔ کیا یہ عقل کی بات ہے کہ محترم ماؤں پر تو حجاب کی پابندی ہو لیکن عام مسلم خواتین اس سے آزاد ہوں؟ اسی سورۂ احزاب کی پہلی آیت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ”اے نبی! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو“۔ کیا یہ حکم الٰہی صرف نبی کریم ﷺ تک محدود ہے؟ ایسی ہی بے شمار آیاتِ قرآنی ہیں جن کا حکم وقتی نہیں ہمہ وقتی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ حد تو یہ ہے کہ داعیِ عقل و فکر حکمِ حجاب کی دوسری آیت 59 کو بھی محدود اور وقتی سمجھتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ ”اے نبی ﷺ کہہ دو اپنی ازواج، اپنی بیٹیوں اور تمام مومن عورتوں سے کہ وہ اپنے اوپر چادر کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں، پس ستائی نہ جائیں“۔ کیا اس حکمِ حجاب و نقاب کی یہ تاویل عقلاً درست ہوسکتی ہے کہ ”اس سے محض مومن عورتوں اور باندیوں میں تمیز مطلوب ہے تاکہ اوباش لوگ انہیں ستا نہ سکیں اور یہ کہ یہ کوئی حکمِ شرعی نہیں بلکہ ایک معاشرتی مسئلہ کا وقتی حل تھا جس کی وجہ سے اوباش لوگ باحجاب خواتین سے احتراز کرنے لگے تھے۔“ اس لحاظ سے تو آج کے عقلاء و فضلاء کو کہنا چاہیے کہ موجودہ معاشرے میں اوباشوں سے بچنے کے لئے حجاب و نقاب کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے اور چونکہ رہتی دنیا تک شیطان رہے گا، اس لیے یہ ضرورتِ حجاب و نقاب ہمیشہ رہے گی۔

مندرجہ بالا مختصر تجزیے سے قرآن میں عورت کے چہرے کا پردہ ثابت ہو جاتا ہے اور اس کی حکمت و ضرورت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اہلِ علم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ قرآنی حکم حجاب و نقاب کی نفی کے لئے وقتاً فوقتاً چنیں و چناں اور من مانی تاویلات کرتے رہیں۔

بطور حرفِ آخر علوم قدیم و علوم جدید کے عالم باعمل اکبر الٰہ آبادی کا سبق آموز اور عبرت انگیز قطعہ یہاں پیشِ خدمت ہے، تاکہ اب بھی اصلاح احوال کیا جاسکے۔

بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں وہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد کے لیے

بنیادی دینی علوم سے آگاہی کا موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبۂ تدریس کے زیر اہتمام

فہمِ دین کورس

کا 25 فروری 2008ء سے آغاز ہو رہا ہے (ان شاء اللہ)

مضامین: ☆ ابتدائی عربی گرائمر مع ترجمۂ قرآن ☆ تجوید و قراءت (ناظرۂ قرآن مجید)

☆ نماز و ادعیہ ماثورہ کا ترجمہ و حفظ ☆ تعارفِ حدیث

☆ دین کے بنیادی موضوعات پر لیکچر

دورانیہ: 3 ماہ...... **اوقات تدریس:** مغرب تا عشاء

داخلے کے خواہش مند حضرات

قرآن اکیڈمی 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور کے استقبالیہ سے داخلہ فارم حاصل کریں اور پُر کر کے 25 فروری 2008ء تک وہیں جمع کرادیں۔

فون: 3-5869501، ای میل irts@tanzeem.org

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ مکتبہ خدام القرآن کے سابق مدیر فتح محمد قریشی وفات پاگئے

☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے رفیق ماسٹر محمد شریف کا بیٹا فوت ہوگیا

☆ اُسرہ پھالیہ کے نقیب ڈاکٹر مشتاق احمد کی والدہ وفات پاگئیں

☆ تنظیم اسلامی لانڈھی کے ملتزم رفیق محمد اقبال کے چھوٹے بھائی کا انتقال ہوگیا

☆ حلقہ گوجرانوالہ کے ناظم مالیات یوسف بٹ کی بڑی ہمشیرہ اور بھابھی قضائے الٰہی سے وفات پاگئیں

☆ تنظیم اسلامی اقبال ٹاؤن لاہور کے رفیق عرفان ملک کے بھائی قضائے الٰہی سے وفات پاگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ قارئین اور احباب سے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ دو جڑواں بہنیں، آرائیں برادری سے تعلق، عمر 24 سال، کے لئے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار نوجوانوں کے رشتے درکار ہیں

برائے رابطہ: مسز جاوید: 042-6362472

☆ دو بہنیں، عمر بالترتیب 37 اور 39 سال، ہومیو ڈاکٹر کے لئے دیندار گھرانوں سے رشتے مطلوب ہیں دوسری شادی کے خواہشمند بھی رجوع کرسکتے ہیں

برائے رابطہ: 042-6315532

دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کے ملتزم رفیق محمد علی کورائی کی اہلیہ علیل ہیں

قارئین اور احباب سے دعائے صحت کی اپیل ہے

موجودہ بحران..... اسباب اور علاج

ملک بھر کے ممتاز علماء کرام کے متفقہ موقف پر مشتمل خصوصی تحریر

وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان میں امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور شمالی علاقہ جات اور بلوچستان کے محب وطن قبائل کے فوج اور انتظامیہ کے ساتھ تصادم سے ملکی سلامتی کو جو شدید خطرات لاحق ہو چکے ہیں' اس کے پیش نظر ملک بھر کے ممتاز علماء کی جانب سے پیش کردہ تجاویز کی تنظیم اسلامی پاکستان بھرپور تائید کرتی ہے اور مقتدر حلقوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ ان تجاویز کو فوری طور پر رُوبہ عمل لاکر تباہی سے بچنے کی بھرپور کوشش کی جائے (ادارہ)

آج کل وطنِ عزیز تہہ درتہہ بحرانوں کے جس سنگین دور سے گزر رہا ہے، اس کی کوئی مثال ملک کی ساٹھ سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ یوں تو اس وقت ہمارے ملک میں پیچیدہ مسائل کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ آٹے سے لے کر پانی بجلی تک کی قلت، ہوش ربا گرانی، بڑھتی ہوئی بے روزگاری، چوری ڈاکوں کی کثرت اور نہ جانے کتنے مسائل ہیں جس نے ایک عام آدمی کا جینا دوبھر کر رکھا ہے، اور خاص طور پر ایک غریب آدمی کے لئے جسم اور جان کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہے، لیکن ان تمام مسائل میں دو چیزوں نے کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ ایک ملک کا سیاسی عدم استحکام ہے جس کی وجہ سے روشنی کی کوئی کرن بھی نظر نہیں آ رہی، اور دوسرے قبائلی علاقوں میں خود اپنے باشندوں کے خلاف اندھادھند فوجی کارروائیاں ہیں جن کی شدت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اور جس نے ملک میں خانہ جنگی کی سی فضا پیدا کر دی ہے۔ اسی کے نتیجے میں بم دھماکوں اور خودکش حملوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس میں تقریباً ہر ہفتے کہیں نہ کہیں درجنوں افراد کی ہلاکت سینکڑوں خاندانوں کو اُجاڑ چکی ہے اور یہ سلسلہ کسی حد پر رکتا نظر نہیں آ رہا۔

ایسے پُرآشوب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ملک کے وجود وبقا کی خاطر ہر شخص اپنی ذات سے بلند ہو کر سوچے، ملک کے تمام طبقات، تنظیمیں اور جماعتیں اپنے اختلافات کو پسِ پشت ڈالیں اور ملک کو مل جل کر اس گرداب سے نکالنے کی کوشش کریں۔ خاص طور سے حکومت پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی انا کو پس پشت ڈال کر انصاف، خوداحتسابی اور دیانت داری سے اس بات کا جائزہ لے کہ وہ کون سی پالیسیاں ہیں جو اس صورت حال کا سبب بنی ہیں۔ ہم پوری دلسوزی اور دردمندی سے حکومت کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ملک وملت کی بقا کی خاطر مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرے۔

یوں تو ہماری بیشتر حکومتیں امریکہ کے زیرِ اثر رہی ہیں، لیکن 11 ستمبر 2001ء کے بعد ہماری حکومت نے امریکہ کا بالکل تابع مہمل بن کر جس طرح اپنے آپ کو امریکہ کی بھینٹ چڑھایا، اور امریکی مفادات کی جنگ کو اپنے ملک میں لاکر جس بے دردی سے قومی مفادات کا خون کیا، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ ہماری افواج کو امریکہ کی رضامندی کی خاطر خود اپنے ہم وطنوں کے خلاف آپریشن میں استعمال کیا گیا۔ امریکہ اور بھارت کے مقابلے میں بزدلی دکھائی گئی، اور تمام تر بہادری کا مظاہرہ وانا، وزیرستان، سوات، بلوچستان اور لال مسجد کے نہتوں پر کیا گیا، اور خواتین کے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے جامعہ حفصہ کی سینکڑوں خواتین وطالبات کا قتلِ عام کر کے واشنگٹن کی شاباش حاصل کی۔

دوسری طرف "روشن خیالی" اور "اعتدال پسندی" کی آڑ میں ملک کو بے دینی کی طرف لے جانے کی کوششیں پورے اہتمام کے ساتھ جاری ہوئیں، نظامِ تعلیم کو اپنے قومی مقاصد اور مصالح کے بجائے غیروں کے لئے خوش نما بنانے کی خاطر نصاب میں تبدیلیاں کی گئیں، حدود کے قوانین میں عورتوں کے حقوق کے نام پر سراسر بے جواز ترمیمات کی گئیں جن کا نہ صرف یہ کہ عورتوں کے حقوق سے تعلق نہ تھا، بلکہ وہ ان کے لئے مزید بے انصافی پر مشتمل تھیں۔ عریانی وفحاشی کو فروغ دیا گیا، فحاشی کے اڈوں کی عملاً سرپرستی کی گئی، اور اسلام آباد میں مساجد کو شہید کیا گیا، روزافزوں گرانی اور بے روزگاری نے غریبوں کے لئے جینا دوبھر کر دیا، ملک بھر میں قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا طوفان برپا ہے، جس کی بناء پر کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنی جان اور مال کے بارے میں ہر وقت خطرات کا شکار نہ ہو، اور حکومت ان مسائل کو حل کرنے کے بجائے میراتھن ریس، بسنت اور رقص وسرود کو فروغ دینے میں مصروف رہی۔ عدالتوں سے انصاف حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف بن گیا، پھر عدلیہ کو انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ پامال کیا گیا، اور دفتروں میں رشوت ستانی کے نتیجے میں عوام دربدر کی ٹھوکریں کھا کر بھی چھوٹے چھوٹے کام کرانے سے قاصر ہو گئے۔

ان تمام حالات کے باوجود حکومت نے اپنے طرزِ عمل سے لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ اُس کے دربار میں عوام کے حقوق اور مطالبات کی کوئی شنوائی نہیں ہے، اور اس ملک میں پُرامن اور آئینی راستے سے کوئی معقول مطالبہ منوانے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ یہاں لاقانونیت کا راج ہے، دھونس، دھاندلی لوٹ مار اور قتل وغارت گری کرنے والے دندناتے پھرتے ہیں اور قانون پر چلنے والوں کو قدم قدم پر مصائب کا سامنا ہے۔ یہاں پُرامن طریقے پر اسلام کے نفاذ کا مطالبہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے، اور اس کے حق میں قرآن وسنت اور عقل ودانش کی کوئی دلیل نہ صرف کارگر نہیں، بلکہ مقتدر حلقے اُسے توجہ سے سننے کے بھی روادار نہیں ہیں۔

بظاہر یہ وہ مجموعی حالات ہیں جنہوں نے کچھ افراد کے دل میں وہ جھنجلاہٹ پیدا کی جو خودکش حملوں کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ جہاں تک خودکش حملوں کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، یہ بات تقریباً ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ اسلام میں خودکشی حرام ہے، اور قرآنِ حکیم اور احادیث شریفہ کے احکام وارشادات اس بارے میں بالکل واضح ہیں، لیکن کسی دشمن سے جائز اور برحق جنگ کے دوران دشمن کو موثر زک پہنچانے کے لئے کیا کوئی خودکش حملہ کیا جا سکتا ہے؟ شرعی اور فقہی طور پر اس بارے میں دو رائے ہو سکتی ہیں، اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک جائز اور برحق جنگ کے

> **مسئلہ صرف ان حملوں کی مذمت کرنے سے حل نہیں ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد یکایک کس وجہ سے اس غیر معمولی اقدام پر آمادہ ہو گئی ہے کہ نہ اُسے اپنی جان کی پروا ہے، نہ اپنے یتیم ہونے والے بچوں، نہ بیوہ ہونے والی بیوی اور غم زدہ خاندان کا کوئی خیال ہے**

دوران حقیقی ضرورت پیش آ جائے اور ہدف بے گناہ لوگ نہ ہوں تو خودکش حملہ جائز ہے، یہ اسی طرح کا خودکش حملہ ہوگا جیسے 1965ء میں ہندوستان کے حملے کے وقت "چونڈہ" کے محاذ پر پاکستانی فوج کے جوانوں کی یہ داستانیں مشہور ہیں کہ وہ جسموں سے بم باندھ کر بھارتی ٹینکوں سے ٹکرا گئے تھے۔ اور اُس کے نتیجے میں ٹینکوں کی پیش قدمی روک دی تھی۔ چونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور ملک وملت کو دشمن سے بچانے کے لئے ایک جائز اور برحق جنگ کے دوران کوئی شخص ایسا اقدام کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے حسنِ نیت کی بناء پر اس کی قربانی کو قبول فرمالیں۔

لیکن یہ ساری بات اُس وقت ہے جب کھلے ہوئے دشمن سے کوئی جائز اور برحق جنگ ہو رہی ہو، اس بحث کا اُس صورت سے کوئی تعلق نہیں ہے جہاں خودکش حملے کا نشانہ ایسے کلمہ گو مسلمانوں کو یا ایسے غیر مسلموں کو بنایا جائے جن کے جان ومال کو اللہ تعالیٰ نے حرمت بخشی ہے۔

ایک کلمہ گو مسلمان، خواہ عملی اعتبار سے کتنا گناہ گار ہو، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس حرمت کا حامل ہے، اور قرآن و حدیث کے ارشادات نے ایسے شخص کے قتل کرنے کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ایک مسلمان کی جان ومال کو کعبے سے بھی زیادہ حرمت کا حامل بتایا ہے۔ بلکہ وہ خودکش حملہ جس کا نشانہ مسلمان یا مسلمان ریاست کے پُرامن شہری ہوں، دوہرا گناہ ہے، ایک تو وہ دوسرے کے خلاف قتلِ عمد کا گناہ ہے، اور اس کے نتیجے میں جتنے انسان ناحق قتل ہوں، وہ اتنے ہی زیادہ گناہوں کا مجموعہ ہے۔ اور دوسرے اس صورت میں خودکشی کے حرام ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے خودکشی کا گناہ اس کے علاوہ ہے۔

لیکن مسئلہ صرف ان حملوں کی مذمت کرنے سے حل نہیں ہوگا۔ اصل سوال یہ ہے کہ یہ خودکش حملے کون کر رہا ہے؟ اور کیوں کر رہا ہے؟ ان اقدامات کی پوری مذمت کے ساتھ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جو لوگ بھی اس قسم کے حملے کرتے ہیں، وہ یہ جان کر کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا نشانہ بنے یا نہ بنے، سب سے پہلے وہ خود موت کے منہ میں جائیں گے۔ عام حالات میں زندگی ہر شخص کو پیاری ہوتی ہے، اور کوئی بھی شخص انتہائی غیر معمولی حالات کے بغیر خود اپنے آپ کو موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا۔

لہٰذا سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد یکایک کس وجہ سے اس غیر معمولی اقدام پر آمادہ ہو گئی ہے کہ نہ اُسے اپنی جان کی پرواہ ہے، نہ اپنے یتیم ہونے والے بچوں، بیوہ ہونے والی بیوی اور غم زدہ خاندان کا کوئی خیال ہے، اور نہ اس بات سے کوئی بحث ہے کہ اُس کے کرنے کے بعد دنیا اُسے کیا کہے گی؟ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ خودکش حملوں کی یہ بہتات ہمارے ملک میں پچھلے چند سالوں ہی سے پیدا ہوئی ہے، اس سے پہلے اس کا کوئی وجود ہمارے ملک میں نہیں تھا۔ یقیناً اس کے کچھ اسباب ہیں جنہیں دور کئے بغیر محض ایسے لوگوں پر غصے سے دانت پیس کر تشدد کی فضا کو اور ہوا دینے سے صورتِ حال ختم نہیں ہوسکتی۔ اگر واقعی ہم اس صورتِ حال کو ختم کرکے ملک میں امن امان بحال کرنے میں مخلص ہیں تو ہمیں پوری حقیقت پسندی کے ساتھ اپنی پالیسیوں پر تنقیدی نگاہ ڈالنی ہوگی، اور جو غلط پالیسیاں اس کا سبب بنی ہیں، انہیں تبدیل کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہوگا۔

> سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنہیں "شدت پسند" یا "انتہا پسند" کہا جا رہا ہے، یہ ہمارے ہی بھائی ہیں، یہ پاکستان کے دشمن نہیں ہیں۔ حکومت ان کو امریکی آنکھ سے دیکھنے کے بجائے پاکستانی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کرے۔

یہ خودکش حملے درحقیقت حکومت کی اُن پالیسیوں کے خلاف ایک شدید جھنجلاہٹ اور چڑچڑاہٹ ہے جو ہر طرف سے مایوس ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہر طرح کے پُرامن راستوں سے مایوس ہو کر تشدد کے راستے پر چل پڑے ہیں، ان میں ایسے نوجوان بھی ہوں گے جن کے گھر حکومت یا امریکہ کے آپریشنوں میں ملبے کا ڈھیر بنا دیئے گئے، اور جنہوں نے ان فوجی کارروائیوں میں اپنے پیاروں کو تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہوئے دیکھا، اور اب ان کے پاس انتقام کی آگ کے سوا کچھ نہیں بچا، جو وہ خود اپنی جان دے کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اور ایسا لگتا ہے کہ وہ ملک دشمن طاقتیں جو پاکستان کو (خاکم بدہن) افراتفری کی نذر کر کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتی ہیں، یا اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر اس پر حملہ آور ہونا چاہتی ہیں، وہ بھی اس آتش گیر فضا سے فائدہ اٹھا کر ایک طرف خود بھی دھماکے کرا رہی ہیں، تاکہ ہر دھماکہ انہی مشتعل لوگوں کی طرف منسوب کیا جاسکے، دوسرے انہوں نے ایسے جذباتی افراد کو درپردہ ابھارا ہے کہ وہ اپنا یہ مشن جاری رکھیں۔ شاید انہیں یہ باور کرایا گیا ہے کہ موجودہ حالات کی ذمہ داری جس طرح حکومت پر عائد ہوتی ہے، اسی طرح وہ شہری بھی اس کے جرائم میں برابر کے شریک ہیں جنہوں نے ایسی حکومت کی اطاعت قبول کر رکھی ہے، لہٰذا ان سب پر حملہ کرکے انہیں ختم کرنا جائز ہے۔

یہ ذہنیت اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اس کے سامنے کوئی زبانی کلامی دلیل فائدہ مند نہیں ہوتی۔ اور اس ذہنیت کا مقابلہ کرنے کے لئے جتنا زیادہ تشدد اختیار کیا جائے گا، اُس کی اشتعال پذیری میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ لہٰذا پاکستان کی سول آبادی پر ہونے والے فوجی آپریشن اس صورتِ حال کا حل نہیں ہیں۔ اس ذہنیت کے مقابلے کے لئے جوش سے زیادہ ہوش اور ہتھیار سے زیادہ ناخنِ تدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

ہمارے نزدیک سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنہیں "شدت پسند" یا "انتہا پسند" کہا جا رہا ہے، حکومت ان کو امریکی آنکھ سے دیکھنے کے بجائے پاکستانی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کرے۔ یہ لوگ، خواہ آزاد قبائل میں ہوں، یا سوات اور مالاکنڈ میں، یا بلوچستان میں، دراصل ہمارے ہی بھائی ہیں، ہمارے ہم وطن اور ہمارے ہم مذہب ہیں۔ یہ پاکستان کے دشمن نہیں، بلکہ وہ قبائلی علاقوں میں ہمیشہ پاکستان کی سرحدوں کے محافظ رہے ہیں، لیکن حکومت کے پیدا کردہ حالات نے انہیں حکومت کا دشمن، اور ہر اُس شخص کا دشمن بنا دیا ہے جو حکومت دشمنی میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو۔ اگر حکومت اپنی پالیسیوں میں مثبت تبدیلیاں لاسکتی ہو تو اُن اسباب کو ختم کیا جاسکتا ہے جن کی بنیاد پر ان کی انتہاء پسندی کو ہوا ملی ہے، اور جن کی وجہ سے وہ سازشوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

مرے طائرِ نفس کو نہیں "گلستاں" سے رنجش
ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے

اگر اس طرزِ فکر کی سچائی ایک مرتبہ دل میں بیٹھ جائے تو کچھ تجاویز ہیں جن پر عمل کر کے ہم موجودہ بحران سے نجات حاصل کر سکتے ہیں:

1۔ "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے نام پر ہم نے جس طرح آنکھ بند کر کے امریکہ کی حکمتِ عملی اختیار کی ہے، اُس کے بارے میں اس حقیقت کا دل سے اعتراف کیا جائے کہ وہ قطعی طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ اس پالیسی نے ہمیں دیا کچھ نہیں، بلکہ ہمارا بہت کچھ چھین لیا ہے۔ ہمارے اندرونی خلفشار کا بھی یہ ایک بنیادی سبب ہے، اور اس کے نتیجے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا وطنِ عزیز ہی داؤ پر لگ گیا ہے۔ اس پالیسی میں دینی اور زمینی حقائق کی روشنی میں وسیع تر مشاورت کے ذریعے بلاتاخیر تبدیلی لائی جائے۔

2۔ شمالی علاقہ جات اور آزاد قبائل میں فوجی کارروائیاں فوری طور پر بند کر کے وہاں کی شورش کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، اور وہاں کے رہنماؤں سے اس پر کھلے دل کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں، اور ان کے جائز مطالبات کو وہ اہمیت دی جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔

3۔ اس حقیقت کا ادراک کیا جائے کہ اصل میں طالبان دہشت گرد نہیں ہیں، اور نہ ان میں سب لوگ انتہا پسند جذباتی ہیں، اُن میں ایسے عناصر موجود ہیں جن سے معقولیت کے ساتھ بات چیت ہو سکتی ہے۔

4۔ شمالی علاقہ جات اور آزاد قبائل کے معتدل علماء اور خوانین خونریزی کے حق میں نہیں ہیں، لیکن اُن کی بات مشتعل عناصر میں اس لئے مؤثر نہیں ہو رہی کہ حکومت کی طرف سے مسلسل خلاف اسلام پالیسیاں جاری رہی ہیں، اور اُن کی موجودگی میں ان معتدل علماء اور خوانین کی طرف سے عدمِ تشدد کی اپیلیں بے اثر ہیں، کیونکہ تشدد رکوانے کے لئے اُن کے ہاتھ میں کوئی ایسی مثبت بات نہیں ہے جو وہ ان مشتعل عناصر کے سامنے پیش کر کے سرخ رُو ہو سکیں۔ اگر حکومت لوگوں کے دلوں میں یہ اعتماد پیدا کر سکے کہ اب وہ اپنی پالیسیاں مرتب کرتے وقت واشنگٹن کی چشم وابرو کا اشارہ دیکھنے کے بجائے ملک وملت کے مفاد پر نظر رکھے گی، اپنے ہم وطنوں کے خلاف فوجی کارروائیاں بند کرے گی اور اپنی خلافِ اسلام پالیسیوں کو ختم کر دے گی، اور اس غرض کے لئے عملی اقدامات کر کے بھی دکھائے جائیں اور انہیں مؤثر طور پر جاری رکھا جائے تو یہ معتدل عناصر، جذباتی عناصر کی ایک بڑی تعداد کو شورش سے باز رکھ سکتے ہیں۔

5۔ اس حقیقی کوشش کے باوجود اگر کچھ لوگ شورش پر آمادہ رہیں تو اولاً اُن کی آواز اتنی مؤثر نہیں رہے گی، اور دوسرے معتدل حلقوں کی طرف سے اُن کے خلاف کھل کر اعلانِ براءت ممکن ہوگا، اور عام تائید کے فقدان کے بعد یہ شورش خود بخود دب جائے گی۔

6۔ بلوچستان کے لوگوں کے کچھ حقیقی مسائل اور مطالبات ہیں جو بڑی حد تک انصاف پر مبنی ہیں، ان مطالبات کو ملک دشمنی سے تعبیر کر کے ان کے خلاف فوجی آپریشن کسی بھی طرح دانشمندی نہیں ہے، وہاں کے رہنماؤں سے ایک مرتبہ پھر سنجیدہ اور بامعنی مذاکرات کا سلسلہ شروع کر کے وہاں کی شورش پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔

7۔ پچھلے چند روز میں صدر مملکت کی طرف سے امریکہ کے بارے میں پہلی بار کچھ ایسے جرأت مندانہ بیانات آئے ہیں جو قومی غیرت کے عین مطابق ہیں، اور ان سے عوام کے دلوں کو کچھ حوصلہ ملا ہے۔ ان بیانات کو صرف لفظی بیانات کی حد تک محدود رکھنے کے بجائے ان کو آئندہ اپنی عملی پالیسی کی بنیاد بنانے کی ضرورت ہے۔

8۔ ملک میں سیاسی استحکام اور مذکورہ بالا اقدامات کو مؤثر بنانے کے لئے قومی اتفاقِ رائے بھی نہایت ضروری ہے۔ اس اتفاقِ رائے کو حاصل کرنے کے لئے صدر مملکت کو پہل کرنی ہوگی۔ ان پر یہ فریضہ سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے بلند ہو کر تمام طبقۂ خیال کے لوگوں کو جمع کریں، اور اگر اختلافات کو ختم کرنے کے لئے موجودہ سیاسی ڈھانچے میں جوہری تبدیلیاں کرنی پڑیں، انتخابات کو قابلِ اطمینان بنانے کے لئے سیاسی رہنماؤں کے جائز مطالبات کو تسلیم کرنا پڑے، خواہ وہ صدر صاحب کی پہلے اعلان شدہ پالیسی کے خلاف ہوں، تو ملک وملت کی سالمیت اور ملک میں سیاسی استحکام کی خاطر ان کو گوارا کریں۔

9۔ سیاسی رہنماؤں سے بھی ہماری درخواست ہے کہ وہ اس موقع پر ملک کو بچانے کے لئے سیاسی عداوتوں کو فراموش کر کے کم سے کم نکات پر متفق ہوں جو ملک کی بقاء کے ضروری ہیں۔

"دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے نام پر ہم نے جس طرح آنکھ بند کر کے امریکہ کی حکمت عملی اختیار کی ہے، اس کے بارے میں اس حقیقت کا دل سے اعتراف کیا جائے کہ وہ قطعی طور پر ناکام ہو چکی ہے اس پالیسی میں دینی اور زمینی حقائق کی روشنی میں وسیع تر مشاورت کے ذریعے بلا تاخیر تبدیلی لائی جائے

10۔ موجودہ تہہ در تہہ بحرانوں کے حل کے لئے ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ عدلیہ کو آئین کے تقاضوں کے مطابق بحال کر کے جملہ ماورائے آئین اقدامات کو منسوخ کیا جائے، ان مقاصد کے حصول لئے مناسب یہی ہے کہ صدر پرویز مشرف ملک وملت کی خاطر مستعفی ہو جائیں، یہ ان کے لئے ایک باوقار طریقہ ہوگا، جس کا اس منصب کے شایانِ شان راستہ یہ ہے کہ وہ آئین کے مطابق صدارت کا منصب سینٹ کے چیئرمین کے حوالے کریں، اور وہ تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے کر معینہ تاریخ کو شفاف انتخابات کرا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیں۔

ہمارا تعلق کسی سیاسی جماعت سے ہے، اور نہ ہمارا کوئی سیاسی ایجنڈا ہے، اس لئے یہ تجویز کسی مخاصمت یا کسی ذاتی یا گروہی سیاسی مقصد پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ملک وملت اور خود صدر پرویز مشرف صاحب کی خیر خواہی پر مبنی ہے۔ انہوں نے آئین سے ماورا جن اقدامات کے ذریعے صدارت کا عہدہ حاصل کیا ہے، وہ کبھی ملک میں دیرپا استحکام پیدا نہیں کر سکتے، ان کی وجہ سے انہیں جلد یا بدیر یہ عہدہ چھوڑنا ہوگا، لیکن اُس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ اس کے برعکس اگر وہ رضا کارانہ طور پر ملک وملت کی خاطر یہ اقدام کریں تو ایک طرف اُن کا وقار بلند کرنے کا ذریعہ بنے گا، دوسری طرف ملک موجودہ سیاسی بحران سے نکل کر پٹری پر آ جائے گا، اور امید یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں شورش زدہ علاقوں میں بھی فوری بہتری آئے گی، ابھی وقت ہے کہ ان خطوط پر نیک نیتی سے کام شروع کر کے ملک وملت کو اس گرداب سے نکالا جا سکتا ہے۔

1۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر۔ شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔
2۔ مولانا سلیم اللہ خان۔ مہتمم جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی۔
3۔ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر۔ مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
4۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی۔ صدر جامعہ دارالعلوم کراچی۔
5۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی۔ نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی۔
6۔ مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ۔ شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک صوبہ سرحد۔
7۔ پیر محمد امین الحسنات شاہ۔۔ رئیس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف، سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھیرہ شریف۔
8۔ علامہ سید عظمت علی شاہ ہمدانی۔ شیخ الحدیث والتفسیر و مہتمم دارالعلوم قمر اسلام سلیمانیہ کراچی۔
9۔ مولانا حافظ محمد سلفی۔ نائب امیر جماعت غرباء اہل حدیث۔
10۔ مولانا نعیم الرحمٰن۔ ناظم اعلیٰ وفاق المدارس السلفیہ پاکستان۔
11۔ مولانا عبیداللہ۔ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
12۔ مولانا عبدالرحمٰن اشرفی۔ نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
13۔ مولانا قاری حنیف جالندھری۔ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان۔
14۔ مولانا انوار الحق۔ نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک صوبہ سرحد۔
15۔ مولانا محمود اشرف۔ نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی۔
16۔ مولانا مفتی عبدالرؤف۔ نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی۔
17۔ مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی۔ مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال۔
18۔ مولانا غلام الرحمٰن۔ چیئرمین نفاذ شریعت کونسل صوبہ سرحد۔
19۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن۔ جامعہ دارالعلوم کراچی۔
20۔ مولانا فضل الرحیم۔ ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ لاہور۔
21۔ مولانا زاہد الراشدی۔ شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و سیکریٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل۔
22۔ مولانا فداء الرحمٰن درخواستی۔ امیر پاکستان شریعت کونسل۔
23۔ مولانا عبدالغفار۔ منتظم جامعہ فریدیہ و قائم مقام خطیب لال مسجد اسلام آباد۔
24۔ مولانا قاری ارشد عبید۔ ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ لاہور۔
25۔ مولانا محمد اکرم کاشمیری۔ رجسٹرار جامعہ اشرفیہ لاہور۔
26۔ مولانا محمد صدیق۔ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان۔
27۔ مولانا مفتی عبداللہ۔ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔
28۔ مولانا عبدالمالک۔ صدر رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان۔
29۔ مولانا مفتی محمد طیب۔ صدر جامعہ امدادیہ اسلامیہ فیصل آباد۔
30۔ مولانا مفتی محمد زاہد۔ نائب صدر جامعہ امدادیہ اسلامیہ فیصل آباد۔

(نوٹ: یہ مضمون پاکستان کے علماء کرام کے مشترکہ موقف پر مبنی ہے)

بچوں کی تربیت

بنت فرمان الٰہی

اللہ تعالیٰ جب انسان کو اولاد عطا کرتا ہے تو ساتھ اُس پر کچھ ذمہ داریاں بھی ڈال دیتا ہے۔ والدین کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری اپنی اولاد کی اسلامی خطوط پر تربیت کرنا ہے۔ اِس ذمہ داری میں بہت بڑا حصہ خواتین کا ہے۔ اولاد کی اچھی تربیت جہاں دنیا میں والدین کی نیک نامی اور سکون و راحت کا ذریعہ بنتی ہے، وہاں اُن کے مرنے کے بعد اُن کے لیے صدقہ جاریہ اور آخرت میں درجات کی بلندی اور نجات کا باعث بھی بنے گی۔ ان شاء اللہ نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد کے مطابق جب انسان مرجاتا ہے، تو دنیا سے اس کا رابطہ کٹ جاتا ہے، یعنی اُس کی نیکی وثواب کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، مگر تین چیزیں ایسی ہیں' جن کے اجر وثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور یہ تین چیزیں ہیں: صدقہ جاریہ' ایسا علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے اور نیک اولاد جو والدین کے لئے دعائے مغفرت کرے۔

دینی بہنو! اولاد سے یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اُن کے تعلق سے اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کریں۔ اس کے لیے اپنے گھروں میں انہیں دینی ماحول فراہم کریں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے جب پہلے ہم خود ہر معاملے میں اسلامی تعلیمات کو مشعل راہ بنائیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"اپنے بچوں کو آداب سکھاؤ اور اُن کی اچھی تربیت کرو۔"

بچوں کی تعلیم وتربیت کے ضمن میں یوں تو شریعت کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ شریعت نے اچھے اور بُرے' مفید اور نقصان دہ تمام اعمال انسان پر واضح کر دیئے ہیں' مگر ننھے منے بچوں کو یہ تمام تر تفصیل سمجھانا آسان نہیں۔ اگر ہم اُن کی تربیت کے ضمن میں ابتدائی مرحلے میں تین امور کو پیش نظر رکھیں اور بچوں کو ناظرہ قرآن کے ساتھ ساتھ شریعت کے اِن تینوں اصولوں پر کاربند رکھنے کی کوشش کریں' تو ان شاء اللہ ضرور مفید نتائج برآمد ہوں گے اور بچوں پر حیرت انگیز ایمانی اثرات ظاہر ہوں گے۔ یہ تین باتیں درج ذیل ہیں:

1۔ جھوٹ سے اجتناب
2۔ فرض نمازوں کی پابندی
3۔ خدمت خلق کی عادت

اسلامی اخلاقیات کی سب سے اہم خوبی سچائی ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ حد درجہ بری خصلت ہے۔ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بالکل ابتداء ہی میں اس بات کی شعوری کوشش کریں کہ بچوں کو سچائی کا خوگر بنایا جائے۔ وہ بچوں کو سچ بولنے کی تلقین کریں اور جھوٹ وغیرہ سے بچائیں۔ جھوٹ نہ صرف کبیرہ گناہ ہے' بلکہ بہت سے اور گناہوں کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جھوٹ سے بچو، جھوٹ بدکاری تک لے جاتا ہے اور بدکاری جہنم تک سے لے جاتی ہے۔ جھوٹ برائی کی بنیاد ہے اور اگر جھوٹ سے اجتناب کیا جائے تو آدمی بہت سے گناہوں سے بچ سکتا ہے۔ اگر بچوں کو مختلف مثالوں کے ذریعے جھوٹ سے نفرت دلائی جائے' اُس کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے تو وہ جھوٹ سے پرہیز کریں گے، اور پھر وہ دوسرے گناہوں سے بھی بچ جائیں گے۔ لہٰذا بچوں کو حقیقی مسلمان بنانے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں جھوٹ بولنے کی قبیح خصلت سے ہر حال میں بچایا جائے۔

اگر بچہ جھوٹ بولے تو اِس کو نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ نہایت حکیمانہ طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی جائے' تاکہ وہ آئندہ محتاط رہے۔ اگر بے جا نرمی برتی گئی تو یہ بات بعد میں آپ کے لئے سخت پریشانی کا باعث بنے گی

والدین کو بچوں سے بہت محبت ہوتی ہے۔ وہ بالعموم اُن کی بُری عادات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر تربیتی نقطہ نظر سے کبھی کبھار چشم پوشی کرلی جائے' تو اس میں کوئی حرج نہیں' بلکہ مناسب ہے' مگر مستقل طور پر اُن کے غلط طرز عمل سے بے پروائی اور غفلت سخت نقصان دہ اور تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اگر بچہ جھوٹ بولے تو اِس کو نظر انداز نہ کیا جائے' بلکہ نہایت حکیمانہ طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی جائے' تاکہ وہ آئندہ محتاط رہے۔ اس کے لئے مناسب تادیب بھی ضروری ہے۔ اگر اس سلسلے میں نرمی برتی گئی تو یہ بات بعد میں آپ کے لئے بڑی سخت پریشانی کا باعث بنے گی۔

بچے کو جھوٹ کی عادت سے بچانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ والدین گھریلو ماحول کو جھوٹ سے پاک رکھیں۔ اگر بڑے جھوٹ بولیں گے تو بچوں پر بھی اِس کا اثر ہوگا۔ وہ بھی جھوٹ کی عادت اپنائیں گے اور اُن کی تربیت کے لئے کی جانے والی کوششیں نتیجہ خیز نہ ہوسکیں گی۔

بچوں کی تربیت کے ضمن میں نماز کی پابندی کی خصوصی اہمیت ہے۔ نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ یہ کفر واسلام کے درمیان فرق کا باعث ہے' اور اسے دین کا ستون قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بچہ یا بچی کو نماز کی عملی مشق کروائی جائے اور نماز میں پڑھی جانے والی سورتیں اور اذکار یاد کروائیں۔ جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو انہیں بڑے پیار سے نماز پر آمادہ کیا جائے' اور ہر بچے اور بچی کو اپنی نگرانی میں نماز ادا کروائی جائے۔ اور پھر ہمیشہ اُن پر دھیان رہے کہ وہ نماز میں کوتاہی نہ کریں اور اِس معاملے میں بچوں کو بے جا رعایت نہ دی جائے۔

خدمت خلق بھی دین کا اہم شعبہ ہے' لیکن بالعموم دیکھا گیا ہے کہ اس جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ بچوں کو شروع ہی سے خدمت خلق کی عادت ڈالی جائے، تو اُن میں انسانی ہمدردی کے جذبات نشوونما پائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اُن کے ذہن میں خدمت خلق کا مفہوم واضح کیا جائے، اور انہیں اس کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے، انہیں بتایا جائے کہ مخلوق کی خدمت ہمارے دین کا تقاضا ہے۔ والدین' بہن بھائیوں، رشتہ داروں اور اساتذہ کی خدمت کرنا اور اہل محلہ، مریضوں اور نادار لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا' اُن کے کام آنا بہت بڑی بھلائی ہے۔ اگر بچوں میں مخلوق کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوگیا تو وہ ماں باپ کی خدمت بھی باعث ثواب سمجھ کر کریں گے' اپنے بہن بھائیوں سے محبت سے پیش آئیں گے' اپنے خاندانی بزرگوں دادا' دادی' نانا' نانی' خالہ' ماموں' چچا' پھوپھی وغیرہ کا احترام کریں گے اور بخوشی اُن کے چھوٹے موٹے کام کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ اہل محلہ کے کام آئیں، اور اپنے گھر' مدرسہ اور سکول کی صفائی کو خود کرنے کی عادت ڈالیں گے اور یہ کام ثواب سمجھ کر کریں گے۔

انٹرویو

سیبل ارسلان خانم

(ترکی کی خواتین کمیٹیوں کی صدر)

سید قاسم محمود

ماہنامہ ''خاتون و خاندان'' نے خواتین کے لیے ملازمت کو ممنوع اور ناجائز قرار نہیں دیا، بلکہ ایسی ملازمتوں کی اجازت دی جس سے عقیدہ وایمان پر حرف نہ آتا ہو اور عورت کی عزتِ نفس، ناموس اور وقار پر آنچ نہ آتی ہو۔ چنانچہ اسلامی احکام وقوانین کی پوری پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے خاندان اور گھر سے باہر سماجی و فلاحی کاموں اور صنعتی کارخانوں میں خواتین کی مشغولیت کو جائز قرار دیا۔ یوم میلادالنبی ﷺ کے جلسوں، تعزیتی جلسوں، قرآنی دروس، مساجد میں حاضری، مذہبی تہواروں کی تقریبات، نکاح، ولیمہ وغیرہ اور دوسرے مذہبی پروگراموں میں شرکت سے خواتین کی انتظامی صلاحیتوں میں نکھار آسکتا ہے اور اس طرح کی سرگرمیوں سے خیالات کے تبادلے کے پورے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ رسالے نے فنِ خطاطی میں خواتین کی حوصلہ افزائی کی اور اس کے انعامی مقابلے بھی منعقد کرائے۔

خواتین کے انفرادی اور معاشرتی حقوق کی وکالت بھی کی گئی۔ اسلام نے خواتین کو جو حقوق وتحفظات دے رکھے ہیں، اُن کی پوری حمایت کی گئی۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے بعد سے اسکارف اوڑھنے پر بڑا اختلاف بلکہ تصادم رہا ہے۔ حمایت ومخالفت کی گرم بازاری نے پریس اور الیکٹرونکس میڈیا میں اِس مسئلے کو بہت نمایاں اور اہم بنا دیا ہے۔ مذکورہ جریدے، خاتون و خاندان نے اسکارف کی حمایت میں پے در پے مدلل مضامین شائع کیے۔ خاص طور پر اسکولوں اور یونیورسٹی میں طالبات کے حجاب پر خصوصی زور دیا۔ اِس مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر مشہور خواتین اور سیاسی رہنماؤں کے انٹرویو شائع کیے۔ ایک خاتون لیڈر نے اسکارف کے استعمال کو پسندیدہ قرار نہیں دیا، اس کے باوجود اسے ایک خاتون کا انفرادی حق تسلیم کیا۔ اُس کی مرضی ہے کہ وہ اسکارف اوڑھے یا نہ اوڑھے۔ جو طالبات اور خواتین اپنا سر ڈھانپنے کے لیے اسکارف کا اِس لیے استعمال کرتی ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے، وہ بھی اپنے انفرادی حق ہی کا استعمال کرتی ہیں اور ترکی کے دستور نے بھی مذہبی آزادی ہر شہری کو دے رکھی ہے، اور وہ اِس آزادی اور حق کو استعمال کرنے کا ہر طرح مجاز ہے۔ ملک کا شہری ہونے اور اپنے تمام حقوق استعمال کرنے کا شعور ترک خواتین میں اِس رسالے ہی نے پیدا کیا۔

رسالے میں عالمِ اسلام کی معروف خواتین پر معلومات افروز مضامین بھی شائع ہوئے۔ سری لنکا، پاکستان اور صومالیہ کی نمایاں خواتین سے متعارف کرایا گیا۔ افغانستان کی مہاجر خواتین سے اظہارِ ہمدردی کیا گیا۔ سرینام کی ایک نومسلم خاتون سے انٹرویو لیا گیا۔ خاتون نے بتایا کہ سرینام میں مسلم بچوں کا استحصال کیا جاتا ہے، اُن سے جبری محنت لی جاتی ہے۔ اس کے خلاف پوری دنیا کے مسلمانوں کو صدائے احتجاج بلند کرنی چاہیے۔ اسی طرح ایک انٹرویو ایران کی رُکن پارلیمنٹ سے لیا گیا، جس میں ایران میں مسلم خواتین کو حاصل حقوق ومراعات سے قارئین کو متعارف کرایا گیا۔ ملائیشیا کی خواتین کے حالات پر مضامین شائع کیے گئے کہ وہ کس طرح حکومت کی مداخلت کے بغیر اسکارف یا حجاب کی کوئی اور صورت استعمال کرنے پر آزاد ہیں۔

رسالے نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ مختلف ملکوں اور قوموں کی خواتین کو اسلام ہی کے ذریعے متحد کیا جا سکتا ہے۔ پوری دنیا کی مسلمان خواتین کو دین کے پرچم تلے لاکر اُن میں تنظیم، یک جہتی اور قوت و وحدت پیدا کی جا سکتی ہے۔ مغرب کی غیر مسلم خواتین کی قدر و قیمت برابر گھٹ رہی ہے۔ اب خود انہیں بھی محسوس ہونے لگا کہ اُن کی تذلیل کی جا رہی ہے۔ چنانچہ وہاں آزادیٔ نسواں کی تحریکیں دم توڑ رہی ہیں۔ ترکی میں بھی ایسی جتنی بھی تحریکیں ماضی میں وقتاً فوقتاً اُبھرتی رہی ہیں، وہ ختم ہو رہی ہیں، کیونکہ اب تک انہیں محض مغربی عورت سمجھا جاتا رہا ہے۔ اب کچھ عرصے سے انہیں مسلمان عورت سمجھا جانے لگا ہے۔ رسالے نے غیر مسلم خواتین کے انٹرویو بھی شائع کیے تاکہ اُن کی روشنی میں دوسری غیر مسلم خواتین کو بھی اسلام کی دعوت دی جاسکے۔

1972ء میں ''ملی سلامت پارٹی'' کی تشکیل اور اُس کے رہنما پروفیسر نجم الدین اربکان کے بیانات اور عوامی تقریروں نے اسلام پسند خواتین کو ذہنی وفکری استحکام عطا کیا، کیونکہ اِس پارٹی کی تشکیل اسلامی اُصول واقتدار کے نفاذ کے لیے ہوئی تھی۔ پروفیسر اربکان چونکہ مغرب کے مخالف اور غیر اسلامی افکار اور اداروں کے ناقد تھے، اس لیے اُنہوں نے مغرب کے عائلی نظام، آزادیٔ نسواں اور حقوقِ نسواں کی انجمنوں کو یکسر مسترد کر دیا۔ 1973ء تا 1977ء کے درمیانی عرصے میں پروفیسر صاحب نے تین مخلوط حکومتوں میں شامل ہو کر مغربی افکار واقدار کے خلاف مہم چلائی۔ خواتین کے مغربی لباس اور طرزِ معاشرت پر سخت تنقید کی۔ منی اسکرٹ کے استعمال کو خلافِ تہذیب قرار دیا۔ قحبہ گری کے انسداد کے لیے جدوجہد کی۔ استنبول کے بڑے چوک سے ایک عریاں نسوانی مجسمے کو اکھاڑ پھینکا گیا اور اسے قابلِ شرم مجسمہ قرار دیا۔ ٹیلی ویژن اور دوسرے ذرائع ابلاغ میں فحش اور عریاں پروگراموں کی شمولیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ غیر ملکی ثقافت پر پابندی لگانے کی کوشش کی۔ نائٹ کلبوں اور شبانہ تفریحی تقریبات کو قابلِ اعتراض قرار دیا، کیونکہ اِن میں نوجوانوں کو اخلاق باختگی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ شراب نوشی اور مرد وزن کی مخلوط پارٹیاں بھی خاندانی نظام کی روایات واقتدار کو تباہ کرتی ہیں، اس لیے اُن پر بھی تنقید کی گئی۔

''ملی سلامت پارٹی'' پر پابندی لگنے کے بعد 1983ء میں پروفیسر نجم الدین اربکان نے (جیسا کہ سابقہ اقساط میں بیان ہو چکا ہے) ''اسلامی رفاہ پارٹی'' کی بنیاد رکھی اور ایک نئی جماعت کی تشکیل کے ذریعے تحریکِ اسلامی کے منصوبوں، پروگراموں اور مقاصد کی تکمیل کا آغاز کیا تو خواتین پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ دعوت واصلاح کے تمام پروگراموں میں انہیں شامل کیا گیا۔ پورے ملک میں ان کی شاخیں قائم کرکے خدمتِ دین اور اقامتِ اسلام کے لیے انہیں منظم کیا گیا۔ ترکی میں احیائے اسلام کی جدید تحریک چلانے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے میں رفاہ پارٹی کی شاندار جدوجہد کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ فی الوقت پورے ملک میں مصطفیٰ کمال اور اُس کے جانشینوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی کے خلاف اسلامی تہذیب، خاندانی نظام اور مسلمان خواتین کے اسلامی کردار کے احیاء میں ان کا کردار بڑا اہم اور فیصلہ کن ثابت ہُوا ہے۔

خاص طور پر رفاہ پارٹی کی قائم کردہ خواتین کمیٹیوں نے ترکی میں تجدیدِ اسلام کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اُنہوں نے اتنے سلیقے، نظم ونسق اور مہارت وحکمت کے ساتھ خواتین میں اسلامی

بیداری پیدا کرنے کا کام کیا کہ پورے ملک میں اُن کا وزن محسوس کیا گیا۔ مارچ 1994ء کے بلدیاتی انتخابات میں خواتین کمیٹیوں کا کردار بہت نمایاں رہا۔ انہوں نے تمام شہروں میں رفاہ پارٹی کے حق میں جلوس اور جلسے منعقد کیے۔ باحجاب ہزاروں خواتین کے نہایت منظم جلوسوں کو دیکھ کر عالمی ذرائع ابلاغ اور اُن کی ایجنسیاں بوکھلا اُٹھیں اور انہیں ترکی میں ''اسلامی انقلاب'' کی دھمک سنائی دینے لگی۔ خواتین کمیٹیوں کی صدر سیبل ارسلان خانم ایڈووکیٹ سے کویت کے معروف عربی ہفت روزہ ''المجتمع'' نے ایک انٹرویو لیا جو بعد ازاں ماہنامہ امپیکٹ (انگلستان) میں انگریزی میں چھپا تھا۔ انگریزی سے اُردو میں اِس انٹرویو کے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں:

سوال: وہ کون سے اہم منصوبے اور پروگرام ہیں جو یہ کمیٹیاں چلا رہی ہیں۔ اِن کی سرگرمیوں کے بڑے مراکز کون کون سے ہیں؟

جواب: تعلیم، تربیت، ثقافت، صحت اور سماجی بہبود کے میدان میں یہ خواتین کمیٹیاں خدمات انجام دے رہی ہیں۔ اِن سرگرمیوں اور خدمات کے ذریعے ہی ہم ترکی میں عام خواتین تک رسائی حاصل کر سکتی ہیں، اور ان کے سامنے اسلام کا نظامِ حق وعدل واضح کر سکتے ہیں۔ ہم اُنہیں سمجھاتی ہیں کہ اسلامی نظام کا قیام ناگزیر ہے، کیونکہ جس معاشرے میں ہم سانس لے رہے ہیں، اس کا تحفظ اور اس کے روشن مستقبل کی ضمانت یہی نظام دے سکتا ہے۔ ہم خواتین کے ساتھ گھل مل کر ''عورت، بچہ اور خاندان'' کی مثلث میں ہم آہنگ ہو کر اپنا رفاہی اور فلاحی پروگرام چلاتے ہیں۔ اِس وقت اکثر شہروں اور علاقوں میں ہم نے شاخیں قائم کر دی ہیں، مگر اب تک سب سے زیادہ کامیابی ہمیں استنبول میں ہوئی ہے جو ترکی کا سب سے بڑا شہر ہے اور جہاں مختلف قومیتوں اور طبقات کے لوگ آباد ہیں۔ اس شہر کی آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ مختلف قومیتوں کی مشترکہ آماجگاہ ہونے کی وجہ سے بھی مسلمان اپنی اصل سے دُور ہوتے چلے گئے، مگر رفاہ پارٹی نے اُنہیں ان کی اصل یاد دلائی اور اسلام کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دی۔ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ خواتین میں اسلام کی طرف دوبارہ آنے کا شعور پختہ ہو گیا ہے۔

سوال: وہ کون سے معاشرتی و اجتماعی پروگرام ہیں جو آپ ترکی معاشرے میں نافذ کرنا چاہتی ہیں؟

جواب: ہم ترکی میں جن تبدیلیوں کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں، اُن میں سب سے اہم کام ترکی عقل و دانش پر سے مغربی فکر و تہذیب کو مٹا کر اسے اس کی اصل بنیاد اسلام کی طرف لانا ہے۔ جو عدل کے نظام پر اُستوار ہے۔

سوال: آپ ترکی میں جس قسم کا سیاسی کردار ادا کر رہی ہیں؟ اُس کی فطرت اور اُس کا مزاج کیا ہے، جبکہ ترکی خواتین کا تعلیمی معیار بہت بلند ہے؟

جواب: سب سے پہلے میں یہ صراحت کرنا چاہتی ہوں کہ ترک عورت آزادی کے بحران میں مبتلا ہے۔ تعلیمی معیار بلند ہونے کے باوجود اِس کے ساتھ کنیز کا معاملہ کیا جاتا ہے، اگرچہ یہ کنیز جدید شکل و صورت کی ہے۔ تجارت کی افزائش کے لیے اسے وسیلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ آزادی کے نام پر عورت کو عریاں کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ آج اس کی ردائے حیا تار تار ہے۔ ہماری اولین ترجیح ہوگی کہ ہم اسے اس کی حقیقی نسوانی فطرت اور وجود کی طرف واپس لائیں اور اُسے بتائیں کہ اللہ نے اس کی تخلیق بہترین ساخت پر کی ہے۔ لیکن اگر مسلمان عورت نے مغرب کی پیروی جاری رکھی تو اس کا وجود مٹ جائے گا، کیونکہ مغرب نے اسے اس کے وجود، اس کے علم، اس کی ثقافت اور اس کے قلب ورُوح سے عاری کر کے اسے گھٹیا سامانِ تجارت میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی طرح ہم خواتین میں خود اعتمادی کی رُوح پھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ اپنے دین پر ایمان و اعتماد کے ذریعے خود اعتمادی پیدا کریں اور پُرعزم اور صاحبِ یقین بنیں اور شکوک و شبہات سے مغلوب ہونے کی بجائے اسلام پر ایمان و ایقان کی دولت سے مالا مال ہوں۔ مغرب کی دل فریبی اور اس کی مصنوعی چمک دمک سے مرعوب نہ ہوں۔ مغرب کی فتنہ سامانیوں کے سامنے شکست خوردہ نہ بنیں۔ خواتین کمیٹیوں کے ذریعے ترکی معاشرت میں بھی فکر رائج کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مسلمان عورت کا اصل تشخص بحال ہو اور اس کی حقیقی شناخت مستحکم ہو سکے۔

مسلمان عورت نے مغرب کی پیروی جاری رکھی تو اس کا وجود مٹ جائے گا، کیونکہ مغرب نے اسے اس کے وجود، اس کے علم، اس کی ثقافت اور اس کے قلب ورُوح سے عاری کر کے اسے گھٹیا سامانِ تجارت میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے

سوال: ترکی میں پچاس سال سے رائج سیکولرازم کے ترک خواتین پر کیا اثرات وارد ہوئے ہیں، اور آپ اُن کی اسلامی شناخت کی بحالی کے لیے کیا اور کیسی جدوجہد کر رہی ہیں؟

جواب: سیکولر عناصر نے ترکی کو یورپ کا چربہ بنا دیا ہے، اور استنبول اور لندن و پیرس میں اِس کے سوا کوئی فرق نہیں رہ گیا ہے کہ یہاں مسجدیں ہیں اور ان سے بلند ہونے والی اذانیں جو مسلمانوں کی اصل شناخت کا پتا دیتی ہیں، حالانکہ اِن بے دینوں نے ترکی اور ترکوں کے اندر سے اسلامی تشخص کو کھرچ کھرچ کر نکال دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، لیکن اب ترک عورت اپنی اصل شناخت کو بحال کرنے میں مصروف ہوگئی ہے، اور ترک عورت کی اپنی اصل شناخت کو بحال کرنے کی یہ جدوجہد مختلف مراحل سے گزر رہی ہے۔ سب سے پہلے اسلام کی صحیح معرفت اور علم کا مسئلہ ہے۔ پھر اسلام سے محبت کرنے اور اس کی اصل اقدار واُصول اپنانے کا مسئلہ ہے۔ پھر اس کی خاطر جہاد کا مرحلہ آتا ہے۔ ہم ابھی دعوت کے مرحلے سے گزر رہے ہیں اور دعوت کے ذریعے خواتین کے دلوں میں اس کی محبت و عظمت کا نقش قائم کر رہے ہیں۔

سوال: بلاشبہ سیاسی و معاشرتی مصروفیات وقت اور زندگی کا بڑا حصہ لے لیتی ہیں۔ ایسی صورت میں عورت کی ازدواجی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ آپ اِن دوہری ذمہ داریوں میں کس طرح ہم آہنگی پیدا کرتی ہیں؟

جواب: آپ عالم اسلام کے جغرافیے پر نظر دوڑائیے۔ ہر جگہ مسلمان عورت کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ ماں کی حیثیت میں، بیوی کے روپ میں، بہن اور بیٹی کی شکل میں۔ ہر جگہ اس کا چہرہ دھواں دھواں اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ فلسطین کی مائیں، بوسنیا کی دوشیزائیں، افغانستان کی بیٹیاں، آذربائیجان کی بہنیں، سب دل فگار اور زخم خوردہ ہیں۔ ان میں سے کتنی ہیں جو اپنے شوہروں سے محروم ہوگئی ہیں۔ کتنی ہیں جنہوں نے اپنے جگر گوشوں کو میدانِ شہادت کی راہ دکھائی ہے، کتنی ہیں جنہوں نے اپنے بھائیوں کو ہمیشہ کے لیے کھودیا ہے۔ یہ المناک صورتِ حال ہمارے لیے شرم اور غیرت کی بات ہوگی کہ ہم اپنے نصب العین کی خاطر اپنے سکون اور راحت کو خیر باد نہ کہیں۔ اپنا وقت اور اپنی دولت کی قربانی نہ دیں، اور اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ پُر لطف زندگی میں مست رہیں، جبکہ رسول کریم ﷺ نے مشرق و مغرب، تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا خیر خواہ قرار دیا ہے۔ ہمیں یہ شرف حاصل ہے کہ ہم آپؐ کے اُمتی ہیں اور اِس شرف کا تقاضا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے دست و بازو بنیں۔

[سیبل ارسلان خانم کے ساتھ ہی راقم کو ترک اسمبلی کی ایک خاتون رکن قردی کاوچکی کا انٹرویو بھی یاد آیا۔ وہ بھی ''امپیکٹ'' (لندن) میں چھپا تھا۔ وہ سر پر اسکارف باندھ کر اسمبلی میں آیا کرتی تھیں۔ جی چاہا کہ اُن کا چشم کُشا انٹرویو بھی ''ندائے خلافت'' کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے]

پاکستان اور شاہِ ایران

کیا امریکہ 1979ء میں کی گئی فاش غلطی کو دہرانے والا ہے؟

فلاڈلفیا ٹرمپٹ کے چیف ایڈیٹر جیرالڈ فلوری کا جنوری 2008ء کے شمارے میں شائع ہونے والا تجزیہ

اخذ و ترجمہ: وسیم احمد

ممکن ہے عالمی دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی جنگ کا آخری وار عراق کی جنگ ہو، لیکن اہم سوال یہ ہے کہ عالمی دہشت گردی شروع کہاں سے ہوتی ہے؟ عراق اگرچہ اس مسئلے کا خطرناک حصہ ہے، لیکن ”دہشت گردی“ کے اژدھا کا سر نہیں۔ ہمیں ”دہشت گردی“ کی ہولناکیوں کو جاننے کے لیے تاریخ کے اوراق الٹنے پڑیں گے اور پھر ہی اس مسئلے کا حل دریافت کیا جا سکے گا۔ عالمی دہشت گردی کے خطرناک درخت کی محض ٹہنیوں کو توڑنے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ جیتنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ دہشت گردی کے درخت کو جڑوں سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔

شاہ محمد رضا پہلوی شہنشاہ ایران تھے۔ وہ امریکہ کے مضبوط اتحادی تھے لیکن ہمارے آزاد پریس اور سیاستدانوں کے خیال میں ان کا رویہ انتہائی غیر جمہوری تھا۔ لہٰذا اُنہوں نے شاہِ ایران کو اقتدار سے الگ کرنے میں مدد دی۔ 1979ء میں جب اس کا اقتدار جا رہا تھا تو امریکہ نے اس کی کوئی خاص مدد نہ کی آیت اللہ خمینی نے شاہِ ایران کے اقتدار کا خاتمہ کیا اور ایران کو دہشت گردوں کی مدد کرنے والا دنیا کا نمبر ایک ملک بنا دیا۔ دس سال بعد جیسے ہی خمینی کا انتقال ہوا اور ہاشمی رفسنجانی ایران کے صدر بنے تو انہوں نے عالمی دہشت گردی کو بڑھانے میں مزید مدد کی۔ اس وقت کچھ تبصرہ نگاروں نے احساس کیا کہ شاہ کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے لیبرل (پارٹی) نے بہت فاش غلطی کی تھی۔ 1994ء میں اس وقت کے سیکریٹری آف سٹیٹ وارن کرسٹوفر (Warren Christopher) نے بیان دیا تھا کہ ”ایران دنیا میں دہشت گردی کو فروغ دینے والا اہم ترین ملک ہے“۔ یہ کتنی فضول بات تھی کہ اس طرح کی بیان بازی کی جائے لیکن اس کے تدارک کے لیے کچھ نہ کیا جائے۔ ذرا سوچیے، امریکہ کتنی بڑی سپر پاور ہے؟ امریکہ کئی سالوں سے یہ جانتا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ دہشت گردی کو فروغ دینے والا ملک کون سا ہے؟ لیکن امریکہ حوصلے کی کمی کی وجہ سے ایران سے دہشت گرد کارروائیوں کی جوابدہی نہیں کر سکا۔ نوے کی دہائی میں ایران حکومتی سرپرستی میں دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہ بن چکا تھا اور امریکی لیڈر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ نہ کر سکے بلکہ ”امریکی سپر پاور“ نے آج تک ایران کو خطرناک دہشت گردی پھیلانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ دوسری تمام اقوام امریکہ کو شاہِ ایران کے نکالنے اور خمینی کے لانے کی ذمہ دار سمجھتی ہے۔ ہماری یہ کمزوری بیسویں صدی کی ناکام خارجہ پالیسی کا شاخسانہ بن سکتی ہے۔

اس تاریخی پس منظر میں ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ ڈراؤنا منظر دوبارہ دہرایا جانے والا ہے؟ آبادی کے اعتبار سے انڈونیشیا کے بعد پاکستان دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کی آبادی ایران، عراق، افغانستان اور شمالی کوریا کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔ پاکستان کے پاس ایٹم بم بھی ہے جو ایرانی مدد کے ساتھ اسلامی انتہا پسندوں کے ہاتھ بھی آ سکتا ہے۔ یہ خطرناک قسم کا حادثہ ہوگا جس کا مطلب ہے کہ یہاں ایرانی علماء کی طرز کا نظام وجود میں آ سکتا ہے۔ امریکہ کی کمزوری اور چشم پوشی نے ایران کو اسلامی ”انتہا پسندوں“ کے ہاتھ میں جانے دیا اور اگر ہم نے ایران کی تاریخ سے سبق نہ سیکھا تو ایسا ہی معاملہ پاکستان میں بھی ہو سکتا ہے۔ ہم یہ غلطی دوبارہ نہیں دہرا سکتے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہماری یہ غلطی پوری دنیا کے لیے ڈراؤنا خواب ثابت ہوگی۔ صدر پرویز مشرف دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے اہم اتحادی کے طور پر پاکستان میں حکومت کر رہا ہے۔ 1970ء کی دہائی میں شاہ رضا پہلوی بھی امریکہ کے مضبوط اتحادی کے طور پر ایران کا سربراہ تھا۔

سابق سفیر جان بولٹن (John Bolton) نے 11 نومبر 2007ء کو CNN کو انٹرویو دیتے ہوئے بالکل صحیح کہا ہے کہ ”امریکہ کو اس وقت صدر مشرف کی بھرپور مدد کرنی چاہیے تاکہ جوہری ہتھیار مجاہدین کے ہاتھ نہ لگ جائیں“۔ یہ بہت خطرناک صورتِ حال ہے اور ایسے میں کوئی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ ”Foreign Policy“ کے ستمبر 2007ء کے شمارے کی رپورٹ میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ ”پاکستان میں دہشت گردی کا بہت بڑا طوفان آ سکتا ہے“۔ جب ماہرین سے یہ سوال پوچھا گیا کہ کون سا ملک القاعدہ کا مضبوط ٹھکانہ بن سکتا ہے تو ان کی رائے میں عراق سمیت دنیا کا کوئی اور ملک القاعدہ کا ٹھکانہ نہیں بن سکتا سوائے پاکستان کے۔ اسامہ بن لادن کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے پاکستان اور افغانستان کی پہاڑی سرحدی علاقے میں لمبے عرصے تک قیام کیا ہے۔ اس علاقے میں القاعدہ دوبارہ منظم ہو رہی ہے اور جہاں ISI اب بھی متحرک جہادی قوتوں کی مدد کر رہی ہے اور صدر پرویز مشرف کا سیاسی مستقبل بھی مخدوش نظر آ رہا ہے۔ یہ تبدیلیاں اتنی بُری نہیں ہیں جتنا ماہرین کا یہ کہنا کہ پاکستان آئندہ تین سے پانچ سالوں میں جوہری قوت انتہا پسندوں کے ہاتھوں میں دے رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو بہت خطرناک ہوگا۔

اور اب تو صدر بش اور ڈیموکریٹس صدر مشرف کو نئے سال کے آغاز میں ہی الیکشن نہ کروانے پر مالی اور فوجی امداد کی بندش کی دھمکیاں بھی دے رہے ہیں اور صدر مشرف ان کی منتیں کر رہے ہیں کہ وہ ایسا نہ کریں۔ ہمارے راہنماؤں کا یہ دھمکیاں اس چیز کا واضح ثبوت ہے کہ وہ پاکستان کے حالات سے مکمل واقفیت نہیں رکھتے۔ کیا انتخابات کا جلد انعقاد مسئلے کا حل ہے؟ مغرب نے غزہ کو بھی ایسی ہی صورتِ حال کی طرف دھکیلا تھا۔ کیا ہم یہ بھول چکے ہیں کہ حماس کے ”انتہا پسندوں“ نے جو ایرانی فوج کے دستِ راست ہیں وہ الیکشن جیت لیا تھا؟ اب امریکہ کا دوست اسرائیل ایران کے دہشت گردوں کے گھیرے میں ہے۔ اس خفت آمیز ناکام صورتِ حال سے نکلنے کا آخری حل کیا ہے؟ کڑوا سچ یہ ہے کہ اگر امریکہ میں اپنی قوت کو استعمال کرنے کا حوصلہ ہوتا تو مشرقِ وسطیٰ میں انتہا پسندی زور نہ پکڑتی مگر امریکہ کا مسئلہ حوصلے کی کمی سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ ہم اپنے طرزِ عمل سے اپنے اتحادیوں کو ”جہادی اسلام“ کے ہاتھوں میں دھکیل رہے ہیں ہم نے 1979ء میں بدعنوان شاہِ ایران سے نجات حاصل کرنے میں بھی مدد کی تھی اس کی جگہ آیت اللہ روح اللہ خمینی نے لی تھی جس نے مشرقِ وسطیٰ میں دہشت گردی کا آغاز کیا۔ کیا ہمیں ایٹمی پاکستان میں کسی اور خمینی کو طاقت میں آتا ہوا دیکھنا ہوگا؟ اور کیا اس کی تمام تر ذمہ داری امریکہ پر عائد ہوگی؟ امریکہ کو اس وقت سنگین ترین صورتِ حال کا سامنا ہے جو اس سے پہلے کسی امریکی لیڈر کو نہ تھا۔ ہمارے اس مسئلے کی بنیاد روحانی ہے۔ اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ دنیا کو ایسے حالات کیوں درپیش ہیں تو ہماری کتاب The united states and Britain in prophecy کا مطالعہ مفید رہے گا۔

تنظیم اسلامی نیو ملتان کے زیر اہتمام شب بیداری

15 دسمبر 2007ء بعد نماز مغرب الھدیٰ مسجد ایف بلاک شاہ رکن عالم کالونی نیو ملتان میں ماہانہ شب بیداری کا پروگرام ہوا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز نماز مغرب کے بعد ہوا۔ محمد سلیم اختر نے توبہ کی عظمت وفضیلت اور اس کے تقاضوں پر مفصل درس دیا۔ انہوں نے ”بندگی رب: مقصد تخلیق جن وانس“ پر روشنی ڈالی اور انفرادی واجتماعی حوالہ سے توبہ کی شرائط بیان کیں۔

بعد نماز عشاء مولانا عزیز الرحمٰن ترابی نے درس حدیث دیا۔ شوکت حسین نے سیرت صحابہؓ کے ضمن میں گفتگو کی۔ جناب حامد اللہ شاہ نے حالات حاضرہ پر تبصرہ کیا۔

اگلے دن صبح چار بجے رفقاء کو اُٹھایا گیا۔ تہجد اور تلاوت قرآن وغیرہ کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ بعد ازاں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار کا درس قرآن بذریعہ آڈیو کیسٹ سامعین کو سنایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سورۃ آل عمران کی آخری آیات پر گفتگو کی۔ اس کے ساتھ ہی شب بیداری پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (مرتب: شوکت حسین انصاری)

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر اہتمام شب بیداری پروگرام

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر اہتمام شب بیداری پروگرام کا انعقاد رفیق تنظیم جناب ضیاء الحق کے گھر ہوا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز بعد نماز مغرب ناظم تربیت جناب عبدالرحمان کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے استقامت کے مفہوم، اس کی اہمیت اور اس کے اجر وثواب کو بڑی عمدگی سے بیان کیا۔ اس کے بعد رفیق تنظیم جناب ندیم اعوان نے دین میں حدیث رسولؐ کی اہمیت کے موضوع پر گفتگو کی۔ بعد نماز عشاء مقامی امیر تنظیم اسلامی جناب ذوالفقار علی نے سورۃ البقرہ کی آیت 177 (آیت البر) کی روشنی میں نیکی کے قرآنی تصور کو بیان کیا۔ درس کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا۔ بعد ازاں رفیق تنظیم جناب عاصم رحمان نے رفقائے تنظیم کے مطلوبہ اوصاف بیان کیے۔ اس کے بعد جناب ضیاء الحق نے دین ومذہب کا فرق اور راقم نے فرائض دینی کا جامع تصور بیان کیا۔

اگلی صبح ساڑھے چار بجے رفقاء کو جگایا گیا۔ انفرادی نوافل ادا کیے گئے، جس کے بعد ناظم تربیت نے مسنون دعاؤں کا مذاکرہ کروایا۔ بعد نماز فجر منتخب نصاب کے حفظ کا اعادہ کیا گیا۔ بعد ازاں محمد سلطان نے سورۃ قیامہ کا درس دیا۔ انہوں نے عقیدۂ آخرت اور قیامت کے حوالے سے ایمان افروز گفتگو کی۔ مقامی امیر ذوالفقار علی نے کتابچہ ”تعارف تنظیم اسلامی“ میں سے چند صفحات کا مطالعہ کروایا۔ آخر میں رفقاء نے اپنے تاثرات بیان کیے۔ دُعا پر اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ میزبان ضیاء الحق نے رفقاء کے قیام وطعام کے سلسلے میں جو قربانی دی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور رفقاء کی اس سعی وجہد کو اپنے دربار میں قبول ومنظور فرمائے۔ (آمین) (مرتب: اسد قیوم)

تنظیم اسلامی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام تعارفی پروگرام

11 جنوری تنظیم اسلامی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام تعارف تنظیم اسلامی سلسلہ میں ایک پروگرام منعقد ہوا، جو دو نشستوں پر مشتمل تھا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز جمعۃ المبارک ہوا۔

پروگرام کی پہلی نشست میں ناظم حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن جناب شاہد رضا نے تنظیم کا تعارف، بانی تنظیم اسلامی کا تعارف، امیر تنظیم کا تعارف ...... اور اس کے ساتھ ساتھ بیعت کی اہمیت کے حوالے سے گفتگو کی۔ چائے کے وقفے کے بعد رفقاء کو اُن کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا، اور ساتھ ساتھ اُن کے سوالات کے جوابات بھی دیے گئے۔ اس کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا۔

دوسری نشست میں ناظم حلقہ نے دین اور مذہب کے فرق کو واضح کیا اور فرائض دینی کے جامع تصور کی وضاحت کی۔ اس پروگرام میں کاموکی سے 2، سیالکوٹ سے 1 اور گوجرانوالہ سے 4 رفقاء نے شرکت کی۔ امیر تنظیم گوجرانوالہ اور اُسروں کے نقباء بھی اس پروگرام میں شامل ہوئے۔

(رپورٹ: معتمد حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن)

تنظیم اسلامی نیو ملتان کی دعوتی سرگرمیاں

13 جنوری 2008ء کو تنظیم اسلامی نیو ملتان کے زیر اہتمام فہم دین پروگرام ہوا۔ جس میں مقامی امیر تنظیم نے دین ومذہب کا فرق، فرائض دینی کا جامع تصور اور منہج انقلاب نبویؐ کے موضوعات پر مفصل لیکچر دیے۔ اس پروگرام میں رفقاء کے علاوہ 6 احباب نے بھی شرکت کی۔ بعد نماز ظہر شرکاء کو کھانا کھلایا گیا۔

19 جنوری کو الھدیٰ مسجد میں ماہانہ شب بیداری کا پروگرام ہوا۔ جس میں درج ذیل پروگرام ہوئے۔ بعد نماز مغرب محمد سلیم اختر نے سورۃ ابراہیم کے اہم مضامین پر تفصیلی درس دیا۔ انہوں نے نزول قرآن کا مقصد، صراط مستقیم، سابقہ اقوام کا اپنے رسولوں کی دعوت کا انکار اور اس کے نتیجہ میں عذاب الٰہی کا نزول، احوال قیامت اور حق وباطل کی کشمکش جیسے مضامین کو بیان کیا۔

محمد عزیر ترابی نے درس حدیث دیا۔ جس میں تین مہلکات (ہلاک کرنے والی) اور تین منجیات (نجات دینے والی چیزوں) کا بیان ہوا۔ نجات دینے والی تین چیزیں، تقویٰ، حق بات پر استقامت اور میانہ روی اختیار کرنا ہیں اور تین ہلاک کرنے والی چیزیں خواہش نفس کی پیروی، بخل اور خود پسندی ہیں۔ بعد نماز عشاء راقم الحروف نے سیرت صحابہؓ کے ضمن میں نواسۂ رسول ﷺ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت کے حوالے سے لٹریچر کا مطالعہ کرایا۔ بعد ازاں سید حامد اللہ نے حالات حاضرہ پر گفتگو کی۔ آخر میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے درس کی آڈیو کیسٹ سنائی گئی۔ یہ درس سورۃ نور پر مشتمل تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے معرفت رب کے حصول کے دو ذرائع بیان کیے۔ آڈیو درس کے بعد رفقاء کو آرام کا وقفہ دیا گیا۔ 16 رفقاء نے مسجد میں قیام کیا۔

اگلی صبح بیدار ہو کر انفرادی نوافل وتلاوت کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ 20 جنوری کی صبح ناشتہ کے بعد ایک روزہ دعوتی پروگرام کا آغاز ہوا۔ محمد عطاء اللہ خان نے قرار داد تاسیس کا مطالعہ کرایا۔ انہوں نے الیکشن کے بارے میں تنظیم کا موقف اور پالیسی بیان کی۔ بعد ازاں سوال وجواب کی نشست ہوئی۔ چائے کے وقفہ کے بعد محترم بانی تنظیم اسلامی کا درس منتخب نصاب نمبر 2 رفقاء کو سنایا گیا، جس میں سورۃ الفتح کی آخری دو آیات پر تفصیل سے گفتگو ہوئی اور امیر اور مامورین کے باہمی تعلق کو بیان کیا گیا۔ ایک روزہ میں 24 رفقاء نے شرکت کی۔ (مرتب: شوکت حسین)

حلقہ سرحد شمالی کے زیر اہتمام سہ روزہ دعوتی پروگرام

اسرہ تھانہ ملاکنڈ ایجنسی کے زیر اہتمام 18 تا 20 جنوری 2008ء ایک دعوتی پروگرام منعقد کیا گیا۔ اس پروگرام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

18 جنوری

حرا مسجد تھانہ میں حبیب علی نے خطبہ جمعہ دیا، جس میں آپ نے راہ نجات پر گفتگو کی۔ بعد نماز عصر اسی مسجد میں قرآن مجید کے حقوق کے موضوع پر گل محمد نے بیان کیا۔ بعد نماز مغرب شاکر اللہ نے ”بندگی رب“ کی وضاحت کی۔ بعد نماز عشاء فرائض دینی کے جامع تصور پر حبیب علی نے مفصل گفتگو کی۔

19 جنوری:

بعد نماز فجر ڈھنڈہ مسجد میں گل محمود نے درس قرآن دیا۔ 10 بجے شوکت اللہ شاکر نے دین و مذہب کے فرق کو چارٹ کی مدد سے واضح کیا۔

بعد نماز ظہر نلو مسجد میں حقیقت ایمان پر حبیب علی نے گفتگو کی۔

بعد نماز عصر مسجد شہداء میں دین ومذہب کے فرق پر گفتگو ہوئی۔

بعد نماز مغرب سفید مسجد میں حقیقت ایمان پر اور بعد نماز عشاء فرائض دینی کے جامع تصور پر گفتگو کی گئی۔

20 جنوری

بعد نماز فجر خان کور مسجد میں آیت البر کے حوالے سے درس قرآن ہوا۔

9 بجے پروفیسر فضل ربی کے حجرے میں منہج انقلاب نبویؐ کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ اس کے ساتھ سہ روزہ دعوتی پروگرام کا اختتام ہوا۔ ان پروگراموں کے شرکاء میں پمفلٹ اور کتب بھی تقسیم کی گئیں۔ (رپورٹ: شیر محمد)

ایران میں ہونے والے انتخابات

14 مارچ کو ایرانی پارلیمنٹ کے انتخابات ہو رہے ہیں۔ گو ایران میں اصل طاقت رہبرِ اعلیٰ خامنہ ای اور صدر احمدی نژاد کے ہاتھوں میں ہے مگر قانون سازی میں پارلیمنٹ بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ فی الحال پارلیمنٹ میں صدر نژاد کے حامی اکثریت میں ہیں لیکن 14 مارچ کو صورتِ حال بدل سکتی ہے۔

یاد رہے، 2004ء میں سرکاری اداروں نے بیسیوں اصلاح پسندوں کو پارلیمانی انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا تھا۔ اب بھی اسی عمل کا خطرہ ہے لیکن اصلاح پسندوں کو یقین ہے کہ وہ پہلی بار سے زیادہ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔

ان کی امیدیں دراصل ملک کے خراب ہونے والے معاشی حالات سے وابستہ ہیں۔ افراطِ زر 19 فیصد تک پہنچ گیا ہے اور بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ یہ دونوں باتیں غریبوں اور متوسط طبقے کو متاثر کرتی ہیں جن کے ووٹوں ہی سے احمدی نژاد صدر بنے تھے۔ اس باعث دونوں طبقے موجودہ حکومت سے ناراض ہیں اور یہ ناراضی یوں ظاہر ہو سکتی ہے کہ وہ اصلاح پسندوں کو دوبارہ اقتدار سونپ دیں۔ اگلے صدارتی انتخاب 2009ء میں ہونے ہیں لیکن پارلیمانی انتخابات کے خلافِ توقع نتائج ان کا نتیجہ بھی کسی حد تک سامنے لا سکتے ہیں۔

شیخ حسینہ واجد کٹہرے میں

1996ء تا 2001ء بنگلہ دیش کی وزیرِ اعظم رہنے والی بیگم حسینہ واجد پر پہلے مقدمے کی کارروائی کا آغاز ہو گیا ہے۔ موصوفہ کو موجودہ حکومت نے گرفتار کیا تھا، جس نے کرپشن کے خلاف مہم چلا رکھی ہے۔ اس پہلے مقدمے میں بیگم صاحبہ پر الزام ہے کہ انہوں نے بجلی پیدا کرنے والی ایک کمپنی سے 435000 کا زرِ کثیر بطور رشوت لیا تاکہ وہ بدستور کام کرتی رہے۔

بجلی کی کمپنی کا مالک اعظم چوہدری عدالت میں پیش ہوا اور اس نے بتایا '1998ء کے ایک دن شیخ حسینہ کا رشتے دار اور مشیر شیخ فضل کریم سلیم میرے پاس آیا اور کہا کہ اگر تم بنگلہ دیش میں کاروبار کرنا چاہتے ہو تو تمہیں ہم کو رقم دینی ہو گی۔ میں نے مجبوراً اُسے 435,000 ڈالر ادا کر دیے۔ سلیم نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اس رقم کا ایک حصہ بیگم حسینہ واجد کو بھی دیا جائے گا۔

ہمارا مسئلہ زیادہ فوجی نہیں

ایک جرمن اخبار دائی ویلٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے افغانستان کے کٹھ پتلی صدر حامد کرزئی نے کہا ہے کہ افغانستان کا اصل مسئلہ نیٹو کے زیادہ فوجیوں کا آنا نہیں ہے، بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ افغان فوجیوں، پولیس اور سرکاری ملازمین کو زیادہ سے زیادہ تربیت دی جائے تاکہ حکومت کی رٹ بحال ہو سکے۔ اگرچہ انہوں نے تسلیم کیا کہ اتحادی فوج نفری کی کمی کے باعث مخالفین پر ہوائی حملے کرنے پر مجبور ہے اور ان حملوں کی زد میں آ کر بے گناہ افغان شہری بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

حامد کرزئی نے الزام لگایا کہ افغانستان میں "دہشت گردی" وہ لوگ کر رہے ہیں جو پاکستان میں قائم تربیتی کیمپوں سے جنگی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی حکومت نے افغانستان میں قائم "دہشت گردوں" کے تمام جنگی اڈے تباہ کر دیے ہیں۔

ایک اجنبی کی رحم دلی

پچھلے سال ماہ نومبر میں شدید سمندری طوفان کے باعث لاکھوں بنگلہ دیشی بے گھر ہو گئے تھے۔ نیز 3300 جان سے گزر گئے۔ عالمی اداروں سے اُسے 2.2 ارب ڈالر ہی مل سکے۔ اب ایک اجنبی مخیر نے بنگلہ دیشی حکومت کو 130 ملین ڈالر دیے ہیں۔ بنگلہ دیشی حکومت نے اس دریا دل پر اجنبی امیر شخص کا شکریہ ادا کیا ہے۔ جس نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی تھی۔

سوہارتو کی اولاد خطرے میں

انڈونیشیا کے مرحوم فوجی صدر سوہارتو کے 32 سالہ عہد میں ترقی کم نہیں ہوئی، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دوران رشوت، بے ایمانی اور اقربا پروری کا دور دورہ رہا۔ خصوصاً سوہارتو کے چھ بچوں نے باپ کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی کاروبار شروع کیے اور ٹیکسوں سے بچتے اور غیر قانونی دھندے کرتے ہوئے اربوں ڈالر کما لیے۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کا تخمینہ ہے کہ وہ 15 سے 35 ارب ڈالر مالیت کی جائیداد رکھتے ہیں۔

1998ء میں صدر سوہارتو کی حکومت ختم ہوئی تو چھ بچوں سمیت وہ خود بھی سرکاری و عوامی تنقید کی زد میں آ گئے۔ سرکاری طور پر تفتیش ہونے لگی کہ سوہارتو خاندان نے غیر قانونی طور پر کتنی رقم جمع کی ہے۔ تاہم سرکاری محکموں میں سوہارتو کے ہمدرد موجود تھے۔ چنانچہ اس لئے چھان بین کا عمل سست رفتار رہا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سہارتو کی موت کے بعد اب یہ عمل تیز ہو جائے گا۔ یاد رہے، سہارتو کے سارے بچوں کے خلاف مقدمے چل رہے ہیں۔ بلکہ سب سے چھوٹے بیٹے ہوتو موکو سپریم کورٹ کے ایک جج کے قتل پر 15 سال کی قید بھی ہوئی تھی۔ تاہم اُسے 2006ء میں صرف پانچ سال بعد رہا کر دیا گیا۔

صدر مشرف اور اسرائیلی وزیر دفاع کی ملاقات

پچھلے ہفتے پیرس کے رافیل ہوٹل کی لابی میں صدر مشرف اور اسرائیل کے سابق وزیرِ اعظم اور موجودہ وزیرِ دفاع ایہود بارک کے مابین "اتفاقیہ ملاقاتیں" ہوئیں۔ پاکستان اور اسرائیل کے مابین سفارتی تعلقات نہیں ہیں، لیکن ان کے رہنما اس قسم کی "اتفاقی ملاقاتوں" کے ذریعے ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں۔

اسرائیلی ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ صدر مشرف لابی میں بیٹھے تھے کہ ایہود بارک انہیں دیکھ کر ان کے پاس چلے آئے اور کہا "آپ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں قابلِ تعریف کردار ادا کر رہے ہیں، ہم آپ کے اور پاکستانی عوام کے ساتھ ہیں۔"

صدر مشرف نے مسٹر ایہود کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا "بہت شکریہ۔ اللہ نے چاہا، تو یقیناً آپ لوگ بھی (فلسطینیوں کے ساتھ) امن کا عمل آگے بڑھائیں گے۔"

لبنان پر حملہ بھیانک غلطی تھی

جولائی 2006ء میں جب حزب اللہ نے دو اسرائیلی فوجی پکڑ لیے، تو اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر دیا تھا۔ تاہم حزب اللہ کے گوریلوں نے اسرائیلی فوج کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا جسے مشرقِ وسطیٰ کی طاقت ور ترین آرمی سمجھا جاتا ہے۔ یوں اس کا غرور خاک میں مل گیا اور پورے عالمِ اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

جنگ کے بعد اسرائیل میں ابتدائی تحقیقاتی رپورٹ نے انکشاف کیا تھا کہ بالائی قیادت سے فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جس کے باعث اسرائیلی فوج کو زبردست زک اٹھانا پڑی۔ اس رپورٹ کے آتے ہی اسرائیلی فوج کے سربراہ نے استعفیٰ دے دیا۔ دو ماہ بعد وزیرِ دفاع کو بھی جانا پڑا۔ عوام کا پر اصرار تھا کہ وزیرِ اعظم اولمرٹ بھی استعفیٰ دیں مگر انہوں نے یہ قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔

ابتدائی رپورٹ کے بعد سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج ایلی یاہو وائنوگراڈ نے تفصیلی رپورٹ جاری کر دی ہے۔ اس میں بھی کہا گیا ہے کہ اسرائیل نے بے سوچے سمجھے لبنان پر حملہ کر دیا اور یہ نہیں دیکھا گیا کہ شکست ہونے پر کس قسم کی حکمتِ عملی اختیار کی جائے۔

اس رپورٹ کے آنے کے بعد پھر وزیرِ اعظم اولمرٹ پر دباؤ بڑھ گیا ہے کہ وہ اپنا عہدہ چھوڑ دیں۔ حزبِ اختلاف ایہود بارک پر زور ڈال رہی ہے کہ وہ حکومت سے الگ ہو جائیں۔ اگر بارک کی پارٹی نے حزبِ اقتدار کا ساتھ چھوڑا تو پارلیمان میں اولمرٹ کی جماعت اکثریت کھو بیٹھے گی۔

peasantry, lords and barons gave birth to the English Common Law, between merchants, feudals and monarchs gave birth to philosophies of Capitalism, Liberty and Freedom. The secular democracy essentially separated Church and State, or religion and government, and reduced the religion only as means to worship God and a personal affair of an individual. This concept is altogether contradictory to the infrastructure of Islam and its foundation belief that it is not an individual''s affair but a whole system of conduct of life no matter political.

So, any attempt of full implementation of western belief of secular democracy in the Muslim world is bound to face unrest, dissatisfaction, dissent, and agitation from the people who revere Islam. Any form of aggressive imposition, including military means, to implement western beliefs in a Muslim society is like calling for a serious backlash. The western theory of secular democracy in practice is itself a manifestation of a "liberal fascism" with controlled and manipulated public opinion, tightly controlled and provocative media focused on propaganda, creation and usage of fear to drive policies, and run by military-industrial complexes for imperial capitalist designs and is a mere "electocracy" and no democracy.

On the other hand, there is the so-called revolution labeled as the militant Islam as a single entity ready to take over the world. Whereas in reality the militant "Islam" is formed of exclusive and indigenous groups significantly different in beliefs, vision and scope. They are scattered, divided and without single undisputed leadership. They are neither synonymous nor interchangeable and have entirely different agendas and aspirations for example there can be no Hamas beyond Palestine, or Hezbollah beyond Lebanon. If there is any commonality between all these groups then it is the continued oppression and tyranny they have faced from the western powers since decades, a common enemy and its quest for imposition of western secularism and "Lebensraum" for Israel.

These two different worlds, or entirely different civilizations, stand facing each other as the historical genocides unfold at the brink of a clash that will be as devastating as inevitable. The continued oppression, unilateral brute use of force and no opportunity for Muslims to be listened and respected and the on-going War on Terror are growingly irreversible and a powerful backlash is lurking in the bottoms.

Pakistan today is facing a serious existential question. The 60 years history of oppression, tyranny and continued indirect colonialism has given birth to sub-nationalism and divisive society, injustice, bigotry, corruption and absolute brutal usage of power. It blockaded all ways to peaceful evolution and change in society. The country is a part of a war that is growingly been seen as a "religious and illegitimate war". The road to any sort of evolution or revolution has been blocked, and all energies of the protectors of the country are invested to save the seat of power in Islamabad as the country and society crumble and falls apart while covert operatives of anti-Pakistan global players find an open to field to ignite further disarray. Islamabad has used brutal and lethal force against both the religious and secular elements of change. The chaos and anarchy grows resulting in gross confusion, uncertainty and desperation while the citizens remain insensitive, unaware and unwilling to participate in bringing about a change.

None of the signs are visible for any positive and peaceful end to this chaos.

Muhammad Ali Jinnah was certainly not wrong in promoting and "using" Islam as his political manipulation as he is allegedly believed to be. He understood the contradictory concepts of secular democracy and that of Islam, and so he promoted the idea of "Islam as a guideline to the future framework of Pakistan" and insisted on his principles of Justice, Fair play, and Impartiality. He
that based on justice, fair pla
impartiality, only Islam will p
in this country – minus them
would become the law of the
as we witness today.

All these problems that we are
are solvable if concentrated ded
efforts are put to work to bring
the evolutionary process bas
justice, fair play and impartiali
the chaos to end. There are c
important steps to be taken; eit
or most of them should be s
done if we wish to stand a c
against all these odds, these inc

Re-think on our alignment to t
on terror

Presidential thought of calling
day and resign

Exclusion of PCO-strain fro
Constitution

Restoration of Judiciary on th
November state

Open, undisputed, and cr
investigations to all the
explosions most importantly B
Bhutto's assassination

Unconditional withdrawal of
from the tribal area, granting
the autonomous status agreed
the time of partition and aut
by Muhammad Ali Jinnah h
and starting meaningful neg
and peace dialogues with them

And lastly, an open, fre
transparent, and credible E
and a smooth transfer of powe

Otherwise the country stands
verge of a dark future, the ch
grow, widen the gulf of
violence will deepen and wa
revolutionary forces to reta
take charge of the task
protection of the wea
oppressed, and this may not
romantic.

These are two answers, ch
possible outcomes of
situation to choose from
melodramatic existential th
face today; either to let the c
take place or let the revoluti
Our future is dependent
choices we make and our
protect it.

(ic

Regd. No. LRL -50 No. 06

eekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

ew Point

By BILAL KHAN

Revolution or Evolution: Choices amid the Existential Denial of the Nation

rise and exercise of political r against a perceived, or real, nctioning of any sort in the m has two historically empirical ods: evolution or revolution. is no precedent in history of other mean of changing any n politically except one.

tion of a political system is a process, needs time and rations. and it is a dedicated of perhaps generations of the isers of political powers. It may y not be visibly fruitful in the term, and the aspirations of e may not truly materialize in articular period but guarantees prosperity and development.

e contrary, a revolution is a r process, may be impulsive or den outbreak, resulting as a sh from either short or long yranny. It only emerges when ads to popular dissent; a ful change or an evolutionary s guaranteeing the rights of the has been blockaded. No if it originated from secular or us principles, it denotes the e form of dissent and ns; when people are forced to ly retaliate for their rights. ng that originates violently any extreme sentiment often some ills with it. It is, again, time, or evolution for that required for that some ills to ut and for the system to e near to zero defects.

r it is a revolution or an on, there are certain eristics of the people that t about their rescue from the that existed. The people to be politically aware and participatory, have sense of and above all have the ability for justice. None of the two of change are ever brought as Aristotle had put it, by owards or selfish-materialists

There are a number of revolutions through out history that were either religious or secular in nature, emerged from extreme sentiments, violent in their modus operandi. but eased out to presumably a near zero defect state. For example, American Independence, and French Revolution are perfect examples of secular revolutions who qualify all the identified attributes. Likewise, the spread of Christianity before Constantine the Great converted, the rise of Protestantism in Europe, the Khomeinian Revolution of Iran or even the Taliban are some popular forms of religious revolutions that emerged against a prevailing prejudice, hatred, and oppression against the social, economic, political, and religious sentiments of a society. And none of them was free from their defects when they emerged, those who found time at their disposal like the American Revolution, evolved through concentrated and dedicated efforts of generations to achieve what they perceived as an ideal system. Those who did not, were continually perceived as violent and intimidating such as the Taliban.

There is only one revolution in history, religious in nature, that was free from ills and was forgiving, merciful and accommodative of its opponents i.e. the revolution of Muhammad (SAW). But this is no time for prophets these days, and only prophets were innocent. No other human can claim to be perfect, innocent or being a zero defect and so is the system.

Islam's evolution, its history, and its rise critically examined along with the study of its doctrines points to one single fact; that it was meant to be a code of conduct for all aspects of life and not just a new way to worship God. A code for all walks of society; being the religion of nature it was the natural way of life i.e. to worship, personal behaviors, social and economic affairs, and politics. It was meant to be a system and except for prayers nothing in Islam is a "personal affair" of anyone. Hence, in Islam, religion and state are directly proportional and relative to each other. Islam secures and guarantees rights of people, to seek and demand justice, to confront the ruler if found doing anything against Islam's principles, and it promotes accountability of the ruler and the ruled alike. Such a system needed an undivided and share set of integrated beliefs, unity of thought and actions, discipline, courage, impartiality and the ability to stand for justice. And Islam achieved these attributes from a single type of education: the Holy Quran and the life of the Prophet (SAW). That is precisely why the levels of courage, liberty, freedom and justice found in the early days of Islam are unprecedented in humanity. That was the success of Muhammad (SAW) that establishes him as the single most influential man in the history of mankind. The rise of Islam is an event unprecedented in history, the only event that is an evolution and revolution at the same time.

The system based upon western concepts of secular democracy is based upon the evolution of European society and entirely separate from any aspiration of the people of the east especially the Muslim world. The ideology is hardly remotely related to the concept of democracy in the ancient Greek city states or the Roman Empire. Its origins traces back to the medieval ages of Europe and the internal tussle between the elements of the European society. The tussle between feudals and monarchs gave birth to parliamentary form of politics, between the monarchy and church and the rise of Protestantism gave birth to the theory of separation of Church and State, between the